ماہنامہ

قلندر شعور

اکتوبر ۲۰۲۵ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

دنیا میں تو اک یہی مقام اپنا ہے
مینا ہے جہاں وہیں قیام اپنا ہے
ہر سمت اندھیرا ہی اندھیرا ہے عظیم
روشن جو یہاں ہے ایک جام اپنا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبّ رَاضی
سَبّ رَاضی

جلد 13 شمارہ 9 | اکتوبر 2025ء | ربیع الثّانی ـ جمادی الاوّل 1447ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ـ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر

عائشہ خان

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 140 روپے.... سالانہ ہدیہ 2100 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 75 امریکی ڈالر سالانہ

B-113، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان ـ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۲۸ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ______ مولانا عبدالرحمان جامیؒ 6

نعت رسول مقبول ﷺ ______ مولانا عبدالرحمان جامیؒ 7

رباعیات ______ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ 8

آج کی بات ______ مدیر مسئول 10

فقیر کی ڈاک ______ ادارہ 14

نامے میرے نام ______ خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ 16

محبت و وفا کا پیکر ______ حنا الماس 21

بحرِ بے کراں ______ (Ph.D.) ڈاکٹر یاسر زیشان 25

لاشعور کا شعور ______ عابد محمود 31

شرح نظریۂ رنگ و نور | تسخیرِ کائنات ______ خواجہ شمس الدین عظیمیؒ 37

خیالِ یار ______ (عجمان) شاہد احمد 43

الف سے اللہ ــــ ب سے بسم اللہ ______ کوکب شاہ عالم 49

میں کون ــــ؟ ______ (M.A.Fine Arts) حامد ابراہیم 53

مجھی کو دیکھ لیں اب تیرے دیکھنے والے ____ یاسمین گُل 59

دلدلی زمین ____ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 65

رلبینہ ـــ صحرا کی شہزادی ____ اسپین (MBBS) ڈاکٹر مکاشفہ نعیم 73

روشنی کا غلاف ____ (B.SE-Software Engr) محمد عاصم بیگ 79

آفتاب و مہتاب ____ طاہر ذیشان 85

____ سندس رشید 89

سرورق کی تشریح اگست 2025ء | بَن کی رات ____ قارئین 95

اقتباسات ____ خواتین و حضرات 98

کورشِ اعظم ____ (M.Sc. Applied Physics) محمد عدنان خان 99

مثنوی مولانا رومؒ | خرچ ہو جائے تو واپس آجانا ____ مترجم: قاضی سجاد حسین 107

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ____ عظیمی خواجہ شمس الدینؒ 113

121 Bilal Hassan ____ From Outer Waves to Deep Currents

126 Nayyar Azam ____ A World Full of Signs

132 Shazia Rasheed ____ Aapa Ji (RA)

136 K. S. Azeemi ____ Message of the Day

حمد باری تعالیٰ

مولانا عبدالرحمان جامیؒ

ای ظهور تو با بطون دمساز
وی بروز تو با کمون همراز

اولی و تو را بدایت نی
آخری و تو را نهایت نی

ایمنی از تغیر و تبدیل
فارغی از تحیز و تحویل

بر خطا پیشگان عطای تو دام
با ولاشیوگان بلای تو کام

دام چه بود فریب جاه و جمال
کام چه بود نوید قرب و وصال

به جوار خودم رهی بنمای
در حریم دلم دری بگشای

غایب از من مرا حضوری بخش
به سروری رسان و نوری بخش

که مرا آنچنان یکی انگار
در دلم ظلمت شکی مگذار

رخت در دار ملک دینم نه
جای در کشور یقینم ده

دیده ای ده سزای دیدارت
جانی آرام جای اسرارت

وارهانم ز ننگ این تنگی
برسانم به رنگ بیرنگی

مفہوم اے ذات پاک! آپ ظاہر میں بھی باطن ہیں اور باطن میں بھی ظاہر ہیں۔ آپ اوّل ہیں مگر آپ کی کوئی ابتدا نہیں۔ آپ آخر ہیں لیکن آپ کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ ہر طرح کے تغیر و تبدیلی سے پاک ہیں، غیر جانبدار اور بے نیاز ہیں۔ آپ کی عطا پر خطاکار دام (جال) میں رہتے ہیں جب کہ عاشق آزمائش سے گزر کر فلاح پاتے ہیں۔ دام کیا ہے؟ دنیاوی جاہ و جمال کا فریب، اور فلاح کیا ہے؟ قرب اور وصال کی بشارت۔ مجھے اپنے پاس آنے کی راہ دکھایئے، اور میرے دل کے در پر ایک در کھول دیجئے۔ جو میرے اندر میں ہے، اُس کی حضوری عطا کیجئے اور روشنی تک پہنچا دیجئے تاکہ میرے دل میں شک کی تاریکی باقی نہ رہے۔ دنیاوی رنگ و لباس سے دور رکھ کر یقین کی دنیا میں جگہ دیجئے۔ وہ نگاہ عطا ہو جس سے دید حاصل ہو اور جان کو سکون ملے تاکہ جان رازوں کا مسکن بنے۔ کتنا عرصہ خود پسندی کی قید میں رہوں؟ یا اللہ! تنگیِ ندامت سے آزاد کر کے بے رنگی کا رنگ عطا کیجئے۔

نعت رسول مقبول ﷺ

مولانا عبدالرحمان جامیؒ

تنم فرسودہ جاں پارہ ز ہجراں یا رسول اللہؐ
دلم پژمردہ آوارہ ز عصیاں یا رسول اللہؐ
چوں سوئے من گزر آری من مسکیں ز ناداری
فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللہؐ
ز کردہ خویش حیرانم سیاہ شد روز عصیانم
پشیمانم پشیمانم پشیماں یا رسول اللہؐ
ز جام حب تو مستم با زنجیر تو دل بستم
نمی گویم کہ من ہستم سخنداں یا رسول اللہؐ
چوں بازوئے شفاعت را کشائی بر گنہ گاراں
مکن محروم جامیؔ را درا آں یا رسول اللہؐ

مفہوم یارسول اللہؐ ! آپ کی جدائی میں میرا جسم ناتواں اور جاں پارہ پارہ ہوگئی ہے، گناہوں کی وجہ سے دل پژمردہ و بے قرار ہے۔ یارسول اللہؐ ! اگر کبھی آپ میری جانب قدم رنجہ فرمائیں تو میں غریب و ناتواں، آپؐ کی خاکِ پا پر جان قربان کردوں۔ میں اپنے کئے پر حیران و پشیمان ہوں۔ میرا نصیب گناہوں سے سیاہ ہوچکا ہے اور یارسول اللہؐ ! میں اس پر پشیمان ہوں، پشیمان ہوں، پشیمان ہوں۔ آپؐ کی محبت کا جام پی چکا ہوں، آپؐ کے عشق کی زنجیر میں بندھا ہوا ہوں پھر بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ عشق کی زبان سے شناسا ہوں۔ روزِ محشر جب آپؐ شفاعت کا بازو گناہ گاروں کے لئے کھولیں گے، یارسول اللہؐ ! اس وقت جامیؔ کو محروم نہ رکھئے گا۔

کوزہ و خم

کیا یوں ہی یہ خدمتِ سُبو کرتے ہیں
انسان ملے، یہ جستجو کرتے ہیں
ہم سن نہیں سکتے، یہ خطا ہے اپنی
یہ کوزہ و خم بھی گفتگو کرتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”تم پہاڑوں کو قیاس کی نظر سے دیکھ کر گمان کرتے ہو یہ جمے ہوئے ہیں،
یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔“ (النّمل : ۸۸)

زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ جو چیز موجود ہے، وہ زندہ ہے، اس کے اندر زندگی سے متعلق حواس کارفرما ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پہاڑ بے جان چیز ہیں مگر پہاڑ بھی مؤنث مذکر ہوتے ہیں۔ پہاڑوں میں نسل کشی کا سلسلہ قائم ہے۔ پہاڑ پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑ بچپن سے گزر کر لڑکپن میں اور لڑکپن سے گزر کر جوانی میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔

پہاڑ شعور بھی رکھتے ہیں۔ انہیں اپنے اچھے برے کی تمیز بھی ہے۔

وہ اپنی سکت، ہمت اور صلاحیت سے بھی واقف ہیں۔

پہاڑ پیدا ہوتے ہیں اور اپنی عمر پوری کرنے کے بعد مرتے بھی ہیں۔

شراب کے پیالے میں بھی جان ہے۔ جب ہم شراب پیتے ہیں، یہ پیالہ اس لئے ہمارے ہونٹوں سے لگ جاتا ہے کہ اسے ایک محبوب کی تلاش ہے۔ خم و کوزہ بے قرار رہتے ہیں کہ کوئی ایسا کامل انسان مل جائے جو یہ جانتا ہو کہ خم اور کوزہ بھی زبان رکھتے ہیں۔ اس تلاش میں وہ کم علم، کور چشم، نادان اور کم سمجھ انسان کے منہ بھی لگتے رہتے ہیں کیوں کہ اس ایثار کے بغیر کامل انسان کی تلاش ممکن نہیں ہے۔

آج کی بات

زندگی آواز ہے۔ آواز تصورات کا خول ہے۔ خول میں آواز کی شکل میں تقاضے ہیں۔ تقاضوں سے زندگی کا مظاہرہ ہوتا ہے — مظاہرہ بذاتِ خود آواز ہے۔ ازل کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے "کُن" فرمایا اور کائنات وجود میں آئی۔ ابد کا تصور کیجئے جب آواز کے ساتھ کائنات اُس حالت میں واپس چلی جائے گی جس حالت میں ظاہر ہونے سے پہلے تھی۔

کائنات کیا ہے —؟ آغاز سے اختتام تک آواز کے مدّ و جزر کا سفر ہے جو طولِ موج[1] میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب آواز کی لہروں میں طول کم یا بہت کم ہوتا ہے، تصورات محدود نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور جہاں لہروں میں طول بڑھتا ہے — خط و خال نگاہ کی حد میں آجاتے ہیں۔ طول، مثلث[2] کو ظاہر کرتا ہے جب کہ مثلث پر دائرہ محیط ہے۔

قابلِ قدر دوستو، بزرگو، طالبات وطلبا اور اساتذہ کرام، "آج کی بات" سمجھ کر پڑھئے اور پڑھ کر سمجھئے ورنہ ذہن کے نشیب و فراز میں بات بھول کے خانے میں چلی جائے گی۔

آواز کی لہریں طولِ موج میں سفر کرتی ہیں، ایک دائرے سے گزر کر دوسرے دائرے میں داخل ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک حرکت دائرے[3] میں نظر آتی ہے اور ایک حرکت طوالت[4] میں چلتی ہے۔ دیکھ کر بھی نہ دیکھنے والا طولانی حرکت کی محوری حرکت کو نہیں دیکھتا، دونوں کو الگ سمجھتا ہے حالاں کہ طولانی حرکت، محور میں رہنے کی وجہ سے قائم ہے۔

آپ نے دیکھا ہے — کیا غور بھی کیا ہے کہ جب موج یا لہر کی طوالت بڑھتی ہے تو نظر موج سے ہٹ جاتی ہے، قسم قسم کی تصویریں نظر آتی ہیں اور جب طول یا طوالت کم سے

۱۔ لہر کی طوالت (Wavelength) ۲۔ تخلیقات ۳۔ Axial or Circular motion ۴۔ Linear motion

کم ہوتی ہے تو موج دائرہ در دائرہ نمایاں ہو جاتی ہے—؟ طول پر نگاہ رکھنے سے فہم و فکر مفلوج ہوتی ہے جب کہ دائرہ نظر کو لامحدودیت سے متعارف کراتا ہے۔ روحانیت میں طول کو مخلوقات سے تشبیہ دی جاتی ہے اور دائرہ، اللہ تعالیٰ کی صفتِ محیط کا استعارہ ہے۔

"اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔
اس کا حکم ان کے درمیان نازل ہوتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر شے
پر قادر ہے اور اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔" (الطّلاق: ۱۲)

• • ———————— • •

آواز ساز ہے جو لاشمار اقسام کی Hertz یا طولِ موج میں ظاہر ہو کر زندگی کی کیسی کیسی دُھنیں ترتیب دیتی ہے۔ کہیں اس دُھن سے پہاڑ مظہر بنتے ہیں، کہیں بادل، ہوا، بارش، سبزہ زار، کویل، بلبل، گلاب، آدمی اور کہیں انسان۔ ہر دُھن مخصوص فریکوئنسی یا طولِ موج پر مشتمل ہے۔ جب یہ تمام فریکوئنسیاں "زمین اسکرین" پر ظاہر ہوتی ہیں تو تصویریں نظر آتی ہیں۔ ان تصویروں میں زندگی کا ساز ہے جو بجتا ہے لیکن بے آواز ہے۔

"وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورتیں، جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے۔
اس زبردست حکمت والے کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔" (اٰلِ عمرٰن: ٦)

آدمی تصویروں کو حرکت میں دیکھتا ہے لیکن حرکت جس آواز پر متحرک ہے، اسے نہیں سنتا، سنتا ہے تو غور نہیں کرتا— آواز اس کے لئے بے آواز ہو جاتی ہے۔

کوئی کام، کوئی حرکت آواز کے بغیر واقع نہیں ہوتی۔ مثلاً ہم بیٹھے ہوئے ہیں، ذہن کی اسکرین پر آہٹ ہوتی ہے۔ یہ لاشعور کی آہٹ ہے جسے ہم خیال کہتے ہیں۔ خیال کا ہلکا خاکہ بنتا ہے جو بعد ازاں گہرا ہو کر تصور میں ڈھلتا ہے۔ احساس جب تصور کے احساس سے ملتا ہے تو اسے ہم مظاہرہ کہتے ہیں۔ مظاہرے کو اپنی طرح چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، سوچتا اور زندگی کے تقاضے پورے کرتا دیکھتے ہیں لیکن کہاں دیکھتے ہیں— اس پر دھیان نہیں دیتے۔

ہر شے آواز سے جڑی ہوئی ہے اور اسی کی لہروں پر شے کا تشخص قائم ہے۔ فلم یا ڈرامے کی مثال سے سمجھنا آسان ہے۔ جس طرح فلم کے سارے کردار فلم نویس کے ذہن کی آواز ہیں، اسی طرح زندگی بھی وقت کی بساط پر چلنے والی تصویروں سے بنی فلم ہے۔ ہر کردار زندگی کی آواز ہے۔ جب آواز کی لہریں زندگی کی اسکرین سے ٹکراتی ہیں تو جس ترتیب میں پھیلتی اور سمٹتی ہیں، سمٹ کر پھر پھیلتی ہیں — ایک دنیا نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جب تک آواز کی لہریں خاص ترتیب میں رہتی ہیں، مناظر اسکرین پر نظر آتے ہیں لیکن جب ترتیب شدہ لہروں کی سمتوں کی نفی ہوتی ہے تو آواز موجود رہتی ہے مگر لہروں کے علم سے ناواقف شخص کی نگاہ سے مناظر اوجھل ہو جاتے ہیں۔

• • ———————— • •

الہامی کتابوں اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں آواز کے تخلیقی رموز بیان ہوئے ہیں۔ ان میں ایک واقعہ ابوالانبیا حضرت ابراہیمؑ کا ہے۔ خالقِ کائنات اللہ کا ارشاد ہے،

> ”اور جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ میرے مالک! مجھے دکھادیں، آپ مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ فرمایا، کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے عرض کیا، ایمان رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے۔ فرمایا، اچھا، تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے سے مانوس کرلے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے پھر ان کو پکار۔ وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لے کہ اللہ نہایت بااقتدار اور حکیم ہے۔“ (البقرۃ: ۲۶۰)

بارگاہِ الٰہی میں حضرت ابراہیمؑ نے حق الیقین کے لئے عاجزانہ درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول فرمائی — خالقیت اور قدرت کا مظاہرہ اور مشاہدہ ہوا۔ اس قصے میں یقین کے اعلیٰ درجے کا اصول وحصول ہے۔ اس کے ساتھ ہی آواز کے رموز بیان ہوئے ہیں۔ بنیادی نکات سے پردہ اٹھایا جائے تو بات یہ ہے کہ،

- پہلا نکتہ انسیت اور مانوس آواز ہے۔
- دوسرا نکتہ آواز میں زندگی ہے۔
- تیسرا نکتہ حافظہ یا ریکارڈ ہے۔ حافظے یا انسیت کی بنا پر آواز کی پہچان ہے۔
- چوتھا نکتہ مادی جسم کی ثانویت ہے یعنی حرکت کا محرک مادی جسم نہیں ہے۔
- پانچواں نکتہ یہ ہے کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے، ریزہ ریزہ ہونے یا بکھرنے کے بعد بھی روح ــــ جسم سے تعلق برقرار رکھتی ہے۔ یہ تعلق جسم کا شعور بنتا ہے اور ہر عالم میں جسم کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی شعور کی بنا پر پرندوں کے ٹکڑے اپنے باقی اعضا سے ملے اور ایک قالب ہو کر دوبارہ پرندے بنے۔

• • ———————— • •

یہ تحریر "اندر میں" کی آواز ہے۔ قارئین خواتین و حضرات اسے پڑھتے ہیں تو کانوں میں مانوس آواز گونجتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آواز کس کی ہے اور مانوس آواز کی راہ نمائی میں الفاظ پڑھتے ہیں۔ آپ نہیں پڑھتے، آواز پڑھتی ہے، آپ سنتے ہیں اور سر دُھنتے ہیں۔

آواز، الفاظ کے ساتھ سفر کرتی ہے اور تصورات کا خول بن جاتی ہے۔ الفاظ چھوٹے بڑے طولِ موج میں آواز کی مشکّل لہریں ہیں۔ ان کو بے جان مت سمجھئے، یہ آواز کی بساط پر زندہ ہیں اسی لئے تحریر چاہے آج کی بات ہو یا کل کی، جب پڑھی جاتی ہے تو مفہوم حرکت میں آتے ہیں اور اندر میں اسکرین پر تصویریں بناتے ہیں۔ تصویر ہو یا تحریر ــــ جس آواز سے تخلیق ہوئی ہے، وہ آواز کاغذ پر تحریر اور ذہن میں تصویر سے منسلک ہوتی ہے۔

اللہ حافظ

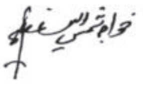

محترم قارئین! جو قوانین اندر میں اسکرین پر روشن ہوئے، لکھ کر بھیجئے۔
"ماہنامہ قلندر شعور" شکریہ کے ساتھ شائع کرے گا۔ (ادارہ)

فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ تفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی ہے۔ "فقیر کی ڈاک" اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ نے شعور کے تانے بانے کو لاشعور سے جوڑ دیا ہے۔

محترم عظیمی صاحب — السلام علیکم و رحمۃ اللہ،

روحانی سلاسل میں ایسے الفاظ (اوراد) موجود ہیں جو مختلف مقاصد کے لئے پڑھے جاتے ہیں۔ درخواست ہے کہ علمی اعتبار سے صرف الفاظ کو متواتر پڑھنے سے کوئی نتیجہ حاصل کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بسا اوقات مسلسل ورد کے باوجود کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

شکریہ، رحمت بی بی

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ،

جب ہم کسی چیز کو بیان کرتے ہیں تو اس کی صفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ صفات کے تذکرے کے بغیر کسی وجود کی تشریح ممکن نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر صفات کے مجموعے کا نام شے ہے۔ جب ہم مادی خط و خال کو بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں چیز ٹھوس ہے، مائع ہے، گیس ہے، اس میں فلاں رنگ پائے جاتے ہیں، یہ فلاں کیمیائی اجزا سے مل کر بنتی ہے، ہیئت کے اعتبار سے گول ہے، چوکور ہے یا کوئی اور خاص شکل رکھتی ہے۔

صفات کے مجموعے کو کوئی نہ کوئی نام دیا جاتا ہے۔ نام ایک علامت ہے جو مخصوص صفات کی ترجمانی کرتی ہے۔ مثلاً جب ہم پانی کہتے ہیں تو اس سے مراد وہ سیال شے ہے جو پیاس بجھانے کے کام

آتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم پانی کی کتنی صفات سے واقف ہیں۔ جب ہم پانی کہتے ہیں تو سننے والے کے ذہن میں پانی کی صفات آتی ہیں۔ اسی طرح لکھنے والی چیز کو قلم کا نام دیا گیا ہے۔ چناں چہ جب کوئی شخص قلم کہتا ہے تو اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو لکھنے کے کام آتی ہے۔ کوئی تحریر جو نقش کا مجموعہ ہوتی ہے، اس کی روح یا صفات وہ معنی ہیں جو تحریر کے پیچھے مخفی ہوتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم صفات اور صفات کے مجموعے کو کسی علامت سے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ علامت ایک اشارہ ہوتی ہے۔ علامت کو اسم بھی کہا جاتا ہے۔ روحانی علوم کے مطابق کائنات صفات کا مجموعہ ہے۔ صفات کی باہمی ترکیب سے تخلیق عمل میں آتی ہے۔

پیغمبران کرام علیہم السلام نے وحی کی روشنی میں صفات کا علم حاصل کیا۔ انہوں نے بتایا کہ کائنات میں کام کرنے والی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس ہیں۔ یہ صفات اللہ کی ذات میں کُل کی حیثیت میں موجود ہیں جب کہ کائنات کو ان کا جز عطا ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ بصیر ہیں۔ مخلوق میں بھی دیکھنے کی قوت کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع ہیں۔ مخلوق میں بھی سماعت عمل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تخلیق کرنے والوں میں سب سے بہترین خلق کرنے والا ہے یا اللہ تعالیٰ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ میں ہر صفت درجۂ کمال رکھتی ہے، لامحدود ہے لیکن مخلوق میں صفات محدود ہیں۔

کوئی بھی اسم یا خاص الفاظ صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ جب ان الفاظ کو پڑھا جاتا ہے تو ذہن میں صفات متحرک ہو جاتی ہیں۔ حرکت کا مظاہرہ روشنی، انرجی یا الیکٹریسٹی کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ روشنی ذہن میں ذخیرہ ہونے لگتی ہے۔ اگر آدمی کا شعوری اسلوب صحیح طرزوں میں عمل کرتا ہے تو روشنی میں موجود صفات عمل درآمد کرتی ہیں بصورتِ دیگر روشنی کا مطلوبہ مظاہرہ ممکن نہیں رہتا۔ مثال کے طور پر غبارے میں ہوا بھر کر اس کا منہ کھول دیا جائے تو وہ اوپر اڑ جاتا ہے لیکن اگر غبارے کو پھاڑ دیا جائے تو ذخیرہ شدہ ہوا کا دباؤ ختم ہو جائے گا اور غبارہ اڑ نہیں سکے گا۔

دعا گو، عظیمی

نامے میرے نام

"ماہنامہ قلندر شعور" نے قارئین خواتین و حضرات کو رسالے کے پلیٹ فارم سے تفکر کی دعوت دی ہے۔ رابطے کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔ ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" کا قارئین کے تفکر سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

اگست 2025ء کے "آج کی بات" پر موصول تفکر نامے میں سے منتخب خطوط:

◈ عمران رفیق (برمنگھم): اگست 2025ء میں 20 سال پہلے "آدم ڈے" کے موقع پر محترم عظیمی صاحبؒ کا خطاب پڑھا۔ احساس ہوا کہ وقت کی بیلٹ جسے ہم طویل سمجھتے ہیں، بہت مختصر ہے۔ خطاب کا پہلا جملہ "یہ ساری دنیا ایک کہانی ہے" خلاصہ ہے۔ کہانی پر غور کرتا ہوں تو اس میں کردار، رنگ اور حالات ہوتے ہیں اور یہ لکھنے والے کے ذہن کا عکس ہوتی ہے۔ ہر کردار رنگوں سے بنا ہے اور ان رنگوں کا عکس ہے — عکس خود مختار نہیں ہوتا، وہ موجود ہو کر غیر موجود ہوتا ہے اور غیر موجودگی کو اپنی موجودگی سمجھ لیتا ہے۔ یہی فریب ہے جس سے اللہ کے دوست نے ہمیں خبردار کیا ہے۔

◈ حمیرا جبیں (کراچی): توجہ اس قانون پر ٹھہر گئی، "جب وہ پیدا ہوتا ہے، کہانی شروع ہوتی ہے اور جب وہ مرتا ہے، ڈراپ سین ہو جاتا ہے...... سارا ڈراما ختم ہو جاتا ہے۔" ذہن کی اسکرین پر مفہوم نقش ہوا کہ پیدائش سے لے کر موت تک کی اسپیس، کہانی ہے لیکن پیدائش سے پہلے اور موت کے بعد کی اسپیس حقیقت ہے جس کے بارے میں محترم عظیمی صاحبؒ نے ساری زندگی ہمیں سمجھایا کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا کے بعد کی حقیقت سے واقف ہو جاؤ۔

◈ محمد طاہر (نواب شاہ): ہم مٹی کے جسم کو اصل سمجھتے ہیں اس لئے فساد میں مبتلا ہیں جب کہ تقاضوں کا مظاہرہ اس جسم کے بغیر بھی ہوتا ہے اور اس کا تعلق روح سے ہے۔ روح سے واقف ہونے کی مشق مراقبہ ہے۔ آدم ڈے 2005ء کے خطاب میں نظامِ تکوین کے لئے درکار ذہن کی عکاسی ہے۔

◈ ثنا عمر (دوحہ): ابدالِ حق قلندر باباؒ کے شاگردِ رشید نے ہمیشہ محبت، احترام، خوشی اور امن کی بات کی۔ ان کے عقیدت مندوں میں ہر مذہب کے خواتین و حضرات ہیں۔ اللہ کے دوست تفرقے کو پسند نہیں کرتے بلکہ قرآن کریم کے پیغام "اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑنے" کا درس دیتے ہیں۔ محترم عظیمی صاحبؒ کی کوششوں سے ہر سال 10 اگست کو امریکا، برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا، روس، متحدہ عرب امارات وغیرہ میں آدم ڈے منایا جاتا ہے جس میں ہر مذہب کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔

◈ توفیق الٰہی (اسلام آباد): انسان کو وہ علم حاصل ہے جو فرشتوں کو حاصل نہیں ہے۔ فرشتوں کی نگاہ نے وہاں تک کام کیا جتنا علم ان کو عطا کیا گیا تھا۔ ان کی نگاہ اس علم کو نہ دیکھ سکی جو آدم کو عطا ہوا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔ یعنی اللہ خالقِ کُل، مالکِ کائنات، علیم و حکیم ہے۔ علم اللہ کا ہے اور علم کو سمجھنے کی حکمت بھی اللہ کی طرف سے ہے۔

◈ مومنہ اشفاق (دبئی): آدم ڈے اگست 2005ء کے خطاب میں زمین پر حاکمیت کے اصول بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ الفاتحۃ میں ارشاد ہے، " تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے"۔ جب عالمین لاشمار ہیں تو زمینیں بھی لاشمار ہیں۔ زمین پر پہلے جنات حاکم تھے، انہوں نے نافرمانی کی، اب نوعِ آدم میں سے انسان زمین پر حاکم ہیں۔ حاکمیت کی وجہ اللہ کی فرماں برداری ہے اور جنت سے بے دخلی کی وجہ نافرمانی ہے۔ تکوینی نظام کا اصول ہے، باادب، بانصیب — بے ادب، بے نصیب۔

◈ فرح شوکت (ملتان): لکھا ہے، "جب آدمی کے اندر یہ بات پیدا ہوئی کہ میں اچھا ہوں، دوسرا برا ہے، اس وقت سے زمین پر فساد شروع ہو گیا۔" یہ بات انسانی رویے کو سمجھنا آسان کر دیتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر دنیا میں مسائل کی وجہ خود کو برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنا ہے۔ مرشد کریم نے اسی خطاب میں فرمایا کہ "جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں، ان کے مطابق یہاں وہ آدمی اچھا ہے جس کے اندر رحم ہے، محبت ہے اور peace ہے اور ہر وہ آدمی برا ہے جس کے اندر نفرت ہے، جس کے اندر غصہ ہے اور جس کے اندر بغاوت ہے۔" خطاب میں گہرے پیغامات ہیں۔

◈ آصف (پشاور): "آج کی بات" میں تحریر ہے کہ "جب آدمی خواب دیکھتا ہے تو اس کے اندر سے ایک آدمی نکلتا ہے، وہ آدمی چلتا ہے، پھرتا ہے"۔ یہ اشارہ ہے کہ آدمی پرتوں کا مجموعہ ہے۔

◈ غلام حسین (ٹنڈو آدم): آدم ڈے 2005ء کے خطاب میں فرمایا گیا کہ خواب اور بیداری زندگی گزارنے کے دو رخ ہیں۔ خواب میں انسان تکلیف محسوس کرتا ہے، کوئی دوست ملے تو خوش ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کہ انسان اس جسم کے علاوہ بھی خوش رہ سکتا ہے۔ اس بات سے واضح ہے کہ تقاضے پورے کرنے کے لئے ہم مٹی کے جسم کے پابند نہیں ہیں۔ مٹی کا جسم صرف لباس ہے جس کو اصل سمجھ کر ہم زندگی کے حقیقی فلسفے سے دور ہو گئے ہیں۔

◈ رضیہ بانو (سرگودھا): اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا۔ آدم چلے گئے۔ نتیجے میں یقین کی جگہ شک نے لے لی۔ شک باحواس سراپا ہے جو نگاہ رکھتا ہے۔ نافرمانی سے شک کی نگاہ active ہو گئی۔ لاشعوری صلاحیتوں کا علم پردے میں چلا گیا اور ہم نے خود کو شک کے شعور کے تابع کر لیا۔ شک نے فاصلے دکھائے جب کہ جنت کی زندگی میں قربت ہے۔

◈ ڈاکٹر نادیہ مجید (کراچی): صاحبِ مشاہدہ، صاحبِ عرفان، عظیم روحانی سائنس دان — قبلہ عظیمی صاحبؒ کی تحریریں پڑھتی ہوں تو شدید احساس ہوتا ہے کہ ان تحریروں کو سمجھنے کا حق ہم سے ادا نہ ہوا۔ کیسے کیسے راز بتا گئے، رازِ حیات سے پردہ اٹھا گئے۔ پردے کے پار دیکھنے والی نگاہ بیدار کرنے کی بجائے ہم اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگے رہے اور۔۔۔! اگست 2025ء میں 20 سال پہلے کے ماضی کی آواز ہم نے دوبارہ پڑھی اور صرف پڑھی نہیں، سنی بھی۔ آواز کی گونج جاری ہے اور ہم سے کہتی ہے کہ ہستی کے راز جاننے کے لئے اندر میں دیکھو۔

اگست 2025ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

◈ شازیہ ناز (متحدہ عرب امارات): اگست 2025ء کے سرورق پر شہنشاہ ہفت اقلیم نانا تاج الدینؒ کی سنگت میں ماورائی دنیا کی ایک رات کی عمدہ منظر کشی ہے جس نے ذہن کو اس دنیا میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ سرورق کی مناسبت سے مضمون "داس ملوکا" تفکر سے بھرپور ہے جس میں انسان، جنات، فرشتے، دیگر مخلوقات اور رات کے حواس — ان حواس و مخلوقات پر تاج الاولیا نانا تاج الدینؒ کا تصرف اور نانا صاحبؒ کی عظمت و شان کا بیان فکر کے دریچے روشن کرتا ہے۔ مضامین کا آغاز منقبت سے ہوا۔ بلاشبہ یہ عقیدت کا نذرانہ ہے۔ رسالے کی ترتیب بے حد پسند آئی۔

◇ رضوان علی (اسلام آباد): ''جو کچھ میں نے کہا، اسے سمجھو!'' پڑھ کر یہ سمجھا کہ آدمی اَن پڑھ ہو یا Ph.D.، اگر وہ حقیقی علوم سے بے بہرہ ہے تو اعلیٰ ڈگری کے باوجود اس کی فکر مفلوج ہے کیوں کہ اس کا سننا، دیکھنا اور سمجھنا قیاس آرائی سے زیادہ نہیں۔ اس کا جواب مضمون ''داس ملوکا'' میں بھی ہے کہ ''ہم رکاوٹ کے شعور سے واقف ہیں، رکاوٹ کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے۔''

◇ عارفہ محمود (بہاولپور): مضمون ''70 ہزار پرت'' میں پوچھے گئے سوال کا جواب یہ ہے کہ پہاڑ کے نظر آنے والے بھاری پن کی طرح برسوں پر محیط عمرِ رواں کا وزن الوژن ہے۔ مضمون ''تلاش کیجئے'' کا خلاصہ یہ ہے کہ عارضی سہاروں کی مدد سے دیکھنا، دیکھنے کی سند نہیں ہے۔ ''فاسفورس کا شعور'' میں ایک بڑا اچھا نکتہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں تو دونوں کے اندر مشترک عناصر کے شعور ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

◇ عادل علی (لاہور): اگست 2025ء کا سرورق بڑے سائز میں فریم کروانے کے لئے راہ نمائی کیجئے۔

● دفتر کے موبائل نمبر پر رابطہ کر کے معلومات حاصل کیجئے۔ (ادارہ)

◇ فرخندہ مشتاق (شیخوپورہ): ''برفانی دنیا کا بادشاہ'' اور ''مچھلیوں کی بارش'' دلچسپ اور معلوماتی تھے۔ حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے ایک مرید حضرت انسان علی شاہؒ پر مضمون پسند آیا۔ مثنوی مولانا رومؒ معرفت کے نکات کا خزینہ ہے۔ سلسلہ وار ناول ''کورشِ اعظم'' ماضی میں لے جاتا ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے آنکھوں کے سامنے ایک پورا منظر بن جاتا ہے۔

◇ شمع بی بی (لاہور): ''ماہنامہ قلندر شعور'' پڑھ کر ذوق کی سیرابی ہوتی ہے۔ ''شرح نظریۂ رنگ و نور'' کا اضافہ، خواب اور تعبیر کا سلسلہ، مضامین کا معیار اور ''نامے میرے نام'' میں ''آج کی بات'' پر قارئین کا تفکر، سب قابلِ تعریف ہیں۔ اراکینِ رسالہ اور قارئین، مبارک باد کے مستحق ہیں کہ دونوں سایۂ عاطفت میں ہیں۔

''ماہنامہ قلندر شعور'' کے ڈیجیٹل ایڈیشن کی سبسکرپشن کے لئے ویب سائٹ پر موجود فارم پُر کیجئے۔
ہمارا ویب ایڈریس یہ ہے، https://qalandarshaoormonthly.online/

الحمدللہ

قارئین خواتین وحضرات کو یاد ہے کہ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیآؒ کے 46ویں عرس کے موقع پر 27 جنوری 2025ء کے مرکزی خطاب میں خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ، مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ نے ہزاروں حاضرین خواتین وحضرات سے فرمایا،

”ہم نے (اسلامیات کی) ایک سے آٹھویں جماعت تک کتابیں لکھی ہیں۔ سب پڑھائی جاتی ہیں۔ خیبر پختونخوا کی الگ ہے، پنجاب کی الگ ہے، وفاقی بورڈ کی الگ ہے۔ اب مرکز (فیڈرل بورڈ) نے پھر درخواست لکھی ہے کہ نویں اور دسویں کتاب لکھ کر دیں، اس پہ کام ہو رہا ہے۔“

ہم سب کے لئے فخر ومسرت کا مقام ہے کہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ کی تحریر کردہ اسلامیات کی کتب برائے جماعت نہم و دہم کو باقاعدہ طور پر فیڈرل بورڈ نے منظور کر لیا ہے۔

یہ نہ صرف سلسلۂ عظیمیہ بلکہ تمام علمی و تعلیمی حلقوں کے لئے اعزاز ہے کہ حاملِ علمِ لدنّی، شارح قرآن وحدیث، عظیم روحانی اسکالر، حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ کی تصانیف قومی نظامِ تعلیم کا حصہ بن کر نسلوں کی ذہنی آبیاری کا ذریعہ بن رہی ہیں۔

اس سے قبل ان کی تحریر کردہ اسلامیات کی کتب برائے جماعت اوّل تا ہشتم پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور اور خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ سے منظور ہو چکی ہیں۔ یہ کتابیں پنجاب، خیبر پختونخوا، راولپنڈی اور اسلام آباد کے مختلف پرائیویٹ اسکولوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔ اسی طرح محترم عظیمی صاحبؒ کی تحریر کردہ جماعت اوّل تا پنجم کی اسلامیات کی کتب کو نیشنل کریکولم کونسل اسلام آباد نے درسی کتب کے ماڈل کے طور پر منظور کیا ہے۔ ان جماعتوں کی اسلامیات کی ورک بکس کو پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ نے سرکاری کتب کے طور پر منظور کر کے خود شائع کیا ہے۔ علاوہ ازیں، نیشنل بک فاؤنڈیشن نے ان ورک بکس کو نابینا طالبات وطلبہ کے لئے Braille نظامِ تحریر میں بھی شائع کیا ہے۔

نوٹ: یہ تمام کتابیں ”عظیمی یونیورسٹی پریس“ سے بآسانی دستیاب ہیں۔

حنا الماس

محبت و وفا کا پیکر

”جب حضور قلندر بابا اولیاؒ نے مجھے سلسلہ چلانے کی ذمہ داری دی تو میرے اندر اتنا جوش تھا، میں سوچتا تھا کہ زمین تو زمین — آسمان پر بھی حضور قلندر بابا اولیاؒ کا نام لکھا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔“

ابا جی — یقین کی دنیا سے متعارف کرانے والی ایک ایسی مہربان ہستی جن کا شمار رحمٰن و رحیم اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں ہے اور جن کی حیات رحمت و شفقت اور محبت و خدمت کی تفسیر ہے۔ آپ نے اپنی زندگی روحانی علوم کی ترویج اور خدمتِ خلق کے لئے وقف کی۔

ابا جی — حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ نے عوام الناس کے اندر احساس بیدار کیا کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور رحم کرنے والی ذات ہیں اور اپنی مخلوق سے ستّر ماؤں سے زیادہ محبت کرتے ہیں — اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ہر آن، ہر لمحہ ہمارے اوپر محیط ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی صفات اوّل، آخر، ظاہر، باطن کے دائرے میں غیب سے ظاہر اور ظاہر سے غیب ہو رہے ہیں۔

علمِ لدنّی کے امین ابا جی نے عقیدت مندوں کے اندر میں یہ سوچ راسخ کی کہ قرآن کریم کی آیات غور و فکر کی دعوت ہیں اور غور و فکر سے علم و عرفان کے راستے کھلتے ہیں۔

★ — ★ — ★

”خیال“ کے بارے میں ابا جی نے وضاحت فرمائی کہ زندگی خیالات کے اوپر رواں دواں ہے — خیال آئے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ لوحِ محفوظ سے اطلاع نزول کرتی ہے اور ذہن کی اسکرین پر منعکس ہوتی ہے تو — واہمہ، خیال، تصور اور احساس بنتی ہے۔ ہم اپنے عقیدے اور ماحول کے لحاظ سے خیال کو قبول کرتے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ قلندر شعور ہماری راہ نمائی کرتا ہے کہ جب کوئی خیال آتا ہے تو ذہن میں

ایک اسپیس بنتی ہے۔ اب اس اسپیس کو ہم لطافت سے بھریں یا کثافت سے —

یہی ہمارا اختیار ہے۔

اباجی کے الفاظ سماعت کو روشن کرتے ہیں کہ اگر خیال کو کیئر آف اللہ طرزِ فکر* کے مطابق قبول کیا جائے تو ہمارے اندر نور کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔ یہ انبیا کرام علیہم السلام کی طرزِ فکر ہے جسے براہِ راست طرزِ فکر کہتے ہیں۔

★ — ★ — ★

اباجی! آپ کی زندگی مشعلِ راہ ہے۔ آپ کی زندگی کے شب و روز سکھاتے ہیں کہ

ادب کیسے کرتے ہیں۔

محبت و ایثار کیا ہے۔

درگزر اور معافی کیا ہوتی ہے۔

کوشش اور جدوجہد کیسے کی جاتی ہے۔

ذات کی نفی کس کو کہتے ہیں۔

اطاعت کیا ہے۔

ترتیب و توازن کسے کہتے ہیں۔

انسان تو انسان، جانوروں، پرندوں اور درختوں کے لئے رحم دلی کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔

صبر، ضبط اور شکر کا کیا مفہوم ہے۔

صبر کا مطلب ہے —

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط میں رہنا۔

پریشانی میں، تکلیف میں برداشت کرنا، صبر کرنا، خاموشی اختیار کرنا، ضبط کرنا، تکلیف کی تکرار نہ کرنا — ایسے اعمال ہیں جن سے فرد کے اندر صبر پیدا ہوتا ہے اور جہاں صبر ہوتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (البقرۃ: ۱۵۳)

★ — ★ — ★

اباجی نے ایک مرتبہ خدمتِ خلق کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ — خدمتِ خلق اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے یا یوں کہئے کہ خدمتِ خلق اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا شارٹ کٹ ہے لیکن یہ اتنا ہی نازک معاملہ ہے — اگر خدمتِ خلق صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے تو راستہ اللہ تک پہنچتا ہے۔ اگر خدمتِ خلق کرتے ہوئے آدمی کے اندر ذرّہ برابر بڑائی آجائے یا اپنی ذات پیشِ نظر ہو تو یہ راستہ شیطان کا ہوجاتا ہے۔ اللہ

---

* من جانب اللہ

کو عاجزی پسند ہے۔

اباجی نے ہمیں بتایا کہ خدمتِ خلق میں سب سے بڑی نیکی "کھانا کھلانا" ہے اور — بلاتفریق کھانا کھلانا "نیکی" ہے۔

★ — ★ — ★

اباجی! آپ کی ذات ہمارے لئے دوست کی تھی۔ ہر بات کو اچھی طرح سمجھانا، جب ہم بچے تھے تو ہمارے ساتھ کھیلنا، ہمارے ساتھ وقت گزارنا، اپنی زندگی کے حالات و واقعات بتانا۔

جب اباجی اپنے مرشد کریم ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے دامے درمے قدمے سخنے سرگرمِ عمل ہوئے تو مصروفیت بہت بڑھ گئی۔ مصروفیت بڑھنے سے ہم متاثر ہوگئے۔

اباجی نے اس بات کو محسوس کیا تو ایک دن ہمیں اپنے ساتھ "الحسن" لے گئے۔ الحسن، گھر کے قریب کھانے پینے کی جگہ تھی۔ ہمارے لئے جوس منگوایا اور ہم سے فرمایا،

"حضور قلندر بابا اولیاؒ بہت بڑی ہستی ہیں۔ انہوں نے تمہارے والد کے ذمے ایک ڈیوٹی لگائی ہے۔ تمہیں کیسا لگے گا کہ تمہارے ابا وہ ذمہ داری پوری نہ کرسکیں؟"

ہم نے کہا، ہمیں بالکل اچھا نہیں لگے گا۔

اباجی نے فرمایا،

"حضور قلندر بابا اولیاؒ نے جو میرے ذمے ڈیوٹی لگائی ہے، میں وہ پوری کرنا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرا ساتھ دو۔"

اباجی نے ہمیں یہ بات بھی سمجھائی،

"ہمارے گھر جو بھی مہمان آئیں گے — وہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کے مہمان ہیں۔ ہمیں ان کی اچھی طرح سے میزبانی کرنی ہے۔"

اباجی نے اتنی شفقت و محبت سے سمجھایا کہ ہمیں احساس ہوا کہ ہماری زندگی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اباجی اپنی ڈیوٹی احسن طریق پر پوری کریں اور الحمدللہ — خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اباجی! آپ کامیاب ہوئے۔

★ — ★ — ★

اباجی! آپ ہمارے، سلسلۂ عظیمیہ کے تمام افراد اور راہِ سلوک پر چلنے والے تمام خواتین و حضرات کے لئے باعثِ فخر ہیں۔

انتہائی شکر کا مقام ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے

کے لئے جو دیوانہ وار کوشش آپ نے کی — اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا،

"جب حضور قلندر بابا اولیاؒ نے مجھے سلسلہ چلانے کی ذمہ داری دی تو میرے اندر اتنا جوش تھا، میں سوچتا تھا کہ زمین تو زمین، آسمان پر بھی حضور قلندر بابا اولیاؒ کا نام لکھا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مشفق و مہربان، محبت و وفا کا پیکر،

پیارے اباجی،

ہمارا دل گواہی دیتا ہے، یقین کے ساتھ کہ آپ کا عشق، جنون اور پُر خلوص کوشش قبول ہوئی اور آپ جان سے زیادہ عزیز اپنے مرشد کریم ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے حضور سرخرو ہوگئے۔

★ — ★ — ★

آج — آنکھیں اشک بار ہیں، دل شکستہ ہے، ذہن تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ آپ مادّی وجود میں ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔

رحمٰن و رحیم اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز

خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ محترم عظیمی صاحبؒ فرماتے ہیں — حضور قلندر بابا اولیاؒ نے وصال سے پہلے مجھے مخاطب کرکے فرمایا تھا: خواجہ صاحب، مشن کو پھیلانے والے لوگ دیوانے ہوتے ہیں۔

پھر مجھ سے فرمایا: آپ میری بات سمجھ گئے؟

عرض کیا: میں آپ کی منشا اور آپ کی ہدایت کو سامنے رکھ کر روحانی مشن کی پیش رفت میں ان شاءاللہ دیوانہ وار کام کروں گا۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ خوش ہوئے اور میرے سر پر ہاتھ رکھا، پھر پیشانی پر انگلیوں کے پوروں سے دائرے بناتے رہے اور پھونک مار کر فرمایا:

"اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے۔"

کے ساتھ دعا ہے کہ

"یااللہ — ہمیں وہ 'نظر' عطا فرما دیں جو محدودیت سے ماورا ہے اور لامحدودیت میں دیکھتی، سنتی اور محسوس کرتی ہے۔

یااللہ — ہم سب کو ہمارے مرشد کریم، ہمارے اباجی کے لئے خوشی کا ذریعہ بنا دیں۔ آمین! ثم آمین!"

اباجی — آپ کا مشن جاری رہے گا اور آپ کی تعلیمات کے دِیے گھر گھر جلیں گے۔ ہر دور میں آپ کی روشنی پھیلے گی، ان شاءاللہ۔

ڈاکٹر یاسر ذیشان

بحرِ بے کراں

اکیسویں صدی کی اردو نثر محض روایت کے سہارے نہیں بلکہ صاحبِ علم و معرفت محترم عظیمی صاحبؒ کی بصیرت کی روشنی میں نئے انداز اپنا چکی ہے۔

اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں اولیائے کرام کی خدمات بے مثال ہیں۔ ان قدسی نفوس نے ابتدا سے اردو کو وہ روحانی آہنگ اور دینی وقار عطا کیا جس کے نتیجے میں یہ زبان نہ صرف برصغیر کی تہذیبی اور ادبی روایت کی ترجمان بنی بلکہ عالمی سطح پر بھی احترام و منزلت کی حامل قرار پائی۔

آغاز سے اب تک اردو میں متصوفانہ ادب کی ایک مضبوط روایت جاری ہے۔ اکیسویں صدی میں اس روایت کی ایک مضبوط کڑی خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ ہیں جو روحانی اسکالر، سیرت نگار، شارح قرآن و حدیث اور صوفیانہ ادب کے نمائندہ ادیب بھی ہیں۔ متصوفانہ ادب میں جہاں ان کی انفرادیت کو ان کی ذات، فکری بصیرت اور باطنی شعور سے تقویت ملی — وہاں خاندانی پس منظر نے بھی انہیں وقار عطا کیا۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ کا سلسلۂ نسب افغانستان کے علمی و روحانی مرکز ہرات کے عظیم صوفی بزرگ خواجہ عبداللہ انصاریؒ المعروف 'پیرِ ہرات' سے ہوتا ہوا میزبانِ رسولؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے جا ملتا ہے۔ یہ نسبت ان کی شخصیت کو تقدس اور جلالت کا وہ سرمایہ عطا کرتی ہے جس نے ان کے فکری و روحانی خط و خال کو جِلا بخشی۔

آپ کے والد گرامی حاجی انیس احمد انصاریؒ برصغیر کے جید عالمِ دین اور شیخ المشائخ مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے بھتیجے اور مرید تھے۔ والدہ ماجدہ بی بی امت الرحمانؒ بھی شیخ المشائخ سے بیعت تھیں اور ان سے روحانی فیض پایا۔

17 اکتوبر 1927ء — بروز پیر، قصبہ انبھٹہ پیر زادگان، ضلع سہارن پور (یوپی)، بھارت کے اس علمی و دینی خانوادہ میں " خواجہ شمس الدین عظیمی" نے آنکھ کھولی۔ بچپن میں حفظِ قرآن کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ یہ وہ روحانی اور علمی ماحول تھا جس نے فکر کو جِلا بخشی۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ نے تاحیات تصوف کے فروغ اور دینی اقدار کی ترویج کے لئے اپنے قلم و بیان کو وقف کیا۔ آپ ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، ماہنامہ قلندر شعور اور ماہنامہ بچوں کا قلندر شعور کے سرپرست و مدیرِ اعلیٰ ہیں۔ متعدد اخبارات و مجلّات میں علمِ تصوف پر گراں قدر مضامین لکھے۔ علاوہ ازیں سیرتِ طیبہؐ سمیت تصوف پر 28 کتب اور 60 سے زیادہ کتابچے تحریر فرمائے۔ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف "احسان و تصوف" بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں ایم اے اسلامیات کے نصاب کا حصہ ہے جب کہ برطانیہ کی سالفورڈ یونیورسٹی کے Rehabilitation ڈپارٹمنٹ میں آپ کی تین کتب نصاب میں شامل ہوئیں۔ اسی طرح جماعت اول تا ہشتم کے لئے آپ کی اسلامیات کی کتب پاکستان کے مختلف مدارس و اسکولوں میں پڑھائی جارہی ہیں ۔ آپ نے پاکستان اور بیرونِ ملک جامعات اور علمی اداروں میں تصوف پر لیکچرز دیے۔ سیمینارز، تربیتی ورکشاپس اور بین الاقوامی روحانی کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعے علمی دنیا میں نئی جہت پیدا کی۔

علمی و فکری خدمات کا دائرہ تصنیف و تالیف تک محدود نہ رہا، آپ نے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہؐ کی تعلیمات کی روشنی میں قلندر شعور فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام خانقاہی نظام کی طرز پر پاکستان میں 61 اور بیرونِ ملک 23 مراقبہ ہال قائم کئے۔ کتابوں کے عربی، فارسی، انگریزی، روسی، لاطینی، تھائی، پنجابی، سندھی اور دیگر زبانوں میں تراجم آپ کے افکار کی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر پذیرائی کا بیّن ثبوت ہیں۔

اس پس منظر میں اردو ادب اور روحانیت کے سنگم پر اُن کی حیاتِ مبارک میں ہی پاکستان کی قومی اور بین الاقوامی جامعات نے ان کی علمی خدمات کو تحقیقی و تنقیدی سطح کے تمام درجات میں موضوعِ تحقیق و مطالعہ بنایا۔

2015ء سے 2025ء تک کے عشرے میں محترم عظیمی صاحبؒ پر ہونے والی سندی جامعاتی

تحقیقات نے نہ صرف جامعات کے تحقیقی وقار اور معیار میں اضافہ کیا بلکہ اردو ادب کے دامن کو ایک نئی سمت اور توسیع بخشی۔

جامعات میں تحقیقی مقالے کی تین سطحیں مقرر ہیں۔بی ایس پروگرام، ایم ایس / ایم فل پروگرام اور پی ایچ ڈی پروگرام۔ محترم عظیمی صاحبؒ کی حیات میں ان کی شخصیت اور علمی خدمات کا اعتراف تینوں سطحوں پر مقالہ شناسی سے کیا جاچکا ہے۔ مختصراً جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

پہلا مقالہ: ”خواجہ شمس الدین عظیمی کی کتب کا موضوعاتی و تجزیاتی مطالعہ“

اس تحقیقی روایت کی اولین اور باوقار کاوش یونیورسٹی آف گجرات کے، سیالکوٹ کیمپس سے سامنے آئی جہاں دانش سینٹر آف ایکسی لینسی برائے طالبات سیالکوٹ سے استاذ شعبہ اُردو، افشاں اسلم نے M.Phil اُردو کی ڈگری کے حصول کے لئے 2015ء – 2017ء میں ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا جس پر سند جاری ہوچکی ہے۔

مقالہ چار تفصیلی ابواب پر مشتمل ہے اور ان کی ترتیب متوازن اور سلیقہ مند ہے۔

باب اوّل میں حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ کی حیاتِ مبارک کا جامع ذکر ہے۔ باب دوم میں تصانیف کا انفرادی و موضوعاتی تناظر میں گہرا مطالعہ کیا گیا ہے۔ باب سوم میں مضامین اور تحریروں کے موضوعات میں موجود علم کی روشنی اور افکار کو نمایاں کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں طرزِ بیان اور اسلوبِ تحریر کی شان ظاہر کی گئی ہے۔ یوں یہ مقالہ محترم عظیمی صاحبؒ کی علمی و روحانی خدمات اور افکار کی وضاحت کے ساتھ، اردو تحقیق کے سرمائے میں ان کے تشکیل کردہ سائنسی انداز کو سمجھنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

دوسرا مقالہ: ”خواجہ شمس الدین عظیمی کی سیرت نگاری: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ“

اس سلسلے کی دوسری کاوش بین الاقوامی پاکستانی جامعہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کی جانب سے ہوئی جہاں گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، چشتیاں سے اردو کی اسسٹنٹ پروفیسر سیدہ عظمیٰ بخاری نے ایم فل اردو کے لئے سیشن 2017ء-2019ء میں ایک سندی مقالہ سپردِ قلم کیا جس پر سند جاری ہوچکی ہے۔

مقالہ نگار نے 150 سے زیادہ کتابوں سے استفادے کے بعد یہ مقالہ لکھا۔ باب اوّل میں

محترم عظیمی صاحبؒ کے احوال و آثار کو سلیقے سے بیان کیا ہے۔ باب دوم میں ان کی سیرت نگاری کے اصول ہیں۔ باب سوم میں سیرتِ طیبہؐ پر ان کی کتب بالخصوص ''خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ'' کی تینوں جلدوں کا الگ الگ تجزیہ ہے۔ باب چہارم اور پنجم میں ان کی لاشعوری فکر اور اندازِ تحریر کو سمجھنے کی کوشش ہے۔

اس مقالے کا زبانی امتحان معروف محقق اور پرنسپل اورینٹل کالج لاہور، جناب ڈاکٹر غلام معین الدین نظامی نے لینے کے بعد نہایت ستائشی لہجے میں فرمایا:

''یہ مقالہ موضوع اور مواد دونوں اعتبار سے خواجہ شمس الدین عظیمی کی شخصیت کو ایک شان دار خراجِ تحسین ہے۔''

مقالہ نگار نے محترم عظیمی صاحبؒ کی ذات سے کسبِ فیض کے حوالے سے اپنے تاثرات ان الفاظ میں قلم بند کئے ہیں:

''مجھے ان کی سیرت نگاری کے مہکتے گلابوں کو یکجا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے لہٰذا مجھے بھی اس تحقیقی مقالے نے بلا شبہ ایک روحانی معراج عطا کی ہے۔''

مقالہ نگار اسسٹنٹ پروفیسر سیدہ عظمیٰ بخاری لکھتی ہیں کہ محترم عظیمی صاحبؒ کی علمی کاوشیں سیرتِ طیبہؐ پر ان کی گہری فکر کی گواہ ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے علومِ رُوحانی کو سیرتِ رسولؐ کے علمی و تحقیقی زاویے سے پیش کر کے سیرت نگاری میں ایک نیا باب روشن کیا۔

<u>تیسرا مقالہ</u>: ''خواجہ شمس الدین عظیمی کی علمی و دینی خدمات''

اس سلسلۂ تحقیق کا تیسرا ستارہ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد کی علمی فضاؤں میں روشن ہوا جہاں محمد عدنان علی نے شعبۂ علومِ اسلامیہ و عربی کے تحت، علومِ اسلامیہ میں ایم فل کی سند کے حصول کے لئے 2021ء–2019ء میں مقالہ تصنیف کیا۔ یہ بھی سند یافتہ تحقیق ہے۔

مقالہ نگار نے محترم عظیمی صاحبؒ کی علمی و دینی خدمات کو حسنِ ترتیب اور نزاکتِ تحقیق کے ساتھ پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے تہذیبی پس منظر، اسلاف کا احوال، حالاتِ زندگی اور خدمات، بچوں کے لئے سیرتِ رسولؐ کی کتب اور ان کی شہرۂ آفاق تالیف وتصنیف ''خاتم النبیین محمد رسول اللہؐ'' کی تینوں جلدوں کو موضوعِ تحقیق بنایا ہے۔ باب سوم اور چہارم

میں روحانی خدمات جن میں پیرا سائیکالوجی کے علوم اور روحانی علاج کا تفصیلی مطالعہ ہے۔ باب پنجم کا عنوان "خواجہ شمس الدین عظیمی اور مراقبہ ہال" ہے — اس باب میں مراقبہ ہالوں کے قیام، اغراض اور مقاصد اور معاشرے میں ان کی ضرورت و افادیت کا بیان ہے۔

مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ محترم عظیمی صاحبؒ نے دینِ اسلام کے متصوفانہ پہلوؤں پر روشنی ڈال کر دنیا کو حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطہ زن کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں،

"محترم عظیمی صاحب کی علمی و دینی خدمات پاکستان میں دینی فکر کے لئے محتاجِ بیان نہیں۔ آپ نے ہر میدان، خواہ وہ تقریر ہو، تحریر یا تصنیف، گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی تمام تصانیف میں انسانیت کے لئے عظیم پیغامات مضمر ہیں۔"

<u>چوتھا مقالہ:</u> "خواجہ شمس الدین عظیمی کی اُردو نثر کے محاسن"

چوتھی قابلِ فخر کاوش گورنمنٹ جناح اسلامیہ گریجویٹ کالج سیالکوٹ سے جناب نبیل احمد کے حصے میں آئی۔ انہوں نے عالمی وقار کی حامل جامعہ پنجاب لاہور کے بی۔ ایس اُردو پروگرام کے لئے 2024ء–2021ء میں گراں قدر تحقیقی مقالہ لکھا جس پر سند جاری ہو چکی ہے۔

یہ جامعہ پنجاب میں محترم عظیمی صاحبؒ پر لکھے گئے مقالات میں پہلا مقالہ ہے جو چار مفصّل ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل میں حیات و خدمات کے نقوشِ جمیل کو الفاظ میں جلوہ گر کیا گیا ہے۔ باب دوم میں اردو زبان میں متصوفانہ نثر کی روایت کو محترم عظیمی صاحبؒ کی تصانیف کے دور تک مربوط کر کے پیش کیا گیا ہے۔ قاری دیکھتا ہے کہ کس طرح محترم عظیمی صاحبؒ نے اپنے قلم سے صوفیانہ روایت کو جدید فکری افق سے ہم آہنگ کیا اور اُردو نثر کے محاسن کو امثال و شواہد کے ذریعے تحقیقی رنگ میں بیان کیا۔ یہ مقالہ بتاتا ہے کہ اکیسویں صدی کی اردو نثر محض روایت کے سہارے نہیں بلکہ محترم عظیمی صاحبؒ کی بصیرت کی روشنی میں نئے انداز اپنا چکی ہے۔

مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اِس دور میں ایسے صاحبِ علم و قلم کی ضرورت تھی جو آئندہ نسلوں اور زمانوں کے لئے نیا اور مستند علمی ورثہ مرتب کرے۔ مقالہ نگار نے تحقیقی نتائج سے واضح کیا

ہے کہ عظیمی صاحبؒ ہی وہ صاحبِ طرز و نظر ہیں جنہوں نے علمِ تصوف کو جدید سائنسی انداز میں پیش کیا۔ ان کی کتب کے غیر ملکی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ عالمی ادب میں انہیں امتیازی مقام حاصل ہے۔ قومی و بین الاقوامی جامعات اور مؤقر اداروں نے ان کے لیکچرز اور سیمینارز کو علمی روایت کا حصہ بنایا۔ ان کے قارئین و سامعین کی تعداد اندرون و بیرونِ ملک لاکھوں میں ہے۔ حکما کا قول ہے:

"دانا کا کلام قلوب کی حیات ہے۔"

اور محترم عظیمی صاحبؒ کی تحریریں اس کی تفسیر ہیں۔ اسی تناظر میں مقالہ نگار نے ان کے منفرد اسلوب کے بارے لکھا ہے:

"اردو نثر میں روحانیت، تصوف اور جدید سائنس کا ایسا امتزاج پہلے نظر نہیں آتا جو محترم عظیمی صاحب کی اردو نثر میں پڑھنے کو ملتا ہے۔ ان کی نثر کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر، موضوعات اور اسلوب انفرادیت کے حامل ہیں۔"

<u>پانچواں مقالہ</u>: "متصوفانہ اردو ادب کے فروغ میں خواجہ شمس الدین عظیمی کی علمی خدمات"

سرمدؔ کاشانیؒ ایک رباعی میں فرماتے ہیں،

دانا ہی سے مخصوص ہے اس کا ملنا
بینا ہی پہ موقوف ہے دیدار اس کا
جُز حق کے نہیں سنتا ہے گوشِ شنوا
ہے محرمِ اسرار زبانِ گویا

(منظوم ترجمہ: عرشؔ ملسیانی)

سیالکوٹ کی طاہرہ رباب صاحبہ کے حصے میں یہ اعزاز آیا کہ محترم عظیمی صاحبؒ کی حیات میں ان پر اولین .Ph.D کا آغاز کیا۔ 2025ء میں گورنمنٹ کالج جامعہ لاہور سے منظوری ہوئی ــــ تحقیقی کام بحسن وخوبی جاری ہے۔

یگانۂ وقت حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ نے علمِ تصوف کی روحانی، علمی اور سائنسی توجیہات پیش کر کے موضوعاتِ تصوف میں لازوال اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے جہاں خارجی احوال کی عکاسی کی، وہاں باطنی دنیا کی سیاحت بھی شاملِ نثر کی ہے۔ ان کی تحریریں دینی، ملّی، روحانی اقدار کی عَلم بردار ہونے کی وجہ سے .Ph.D سطح کی تحقیق کا تقاضا رکھتی ہیں۔ بلاشبہ ان کی شخصیت ایسے آفتاب کی مانند ہے جس کی شعاعوں کا شمار ممکن نہیں۔

عابد محمود

لاشعور کا شعور

”جو لاشعور کا قانون ہے، وہی شعور کا قانون ہے۔“

کُن کی بازگشت کہتی ہے کہ سب مظاہر ایک ہستی کا خیال ہیں اور ساری کائنات ”چاہنے اور پہچان“ کے پروگرام کے تحت ہم آہنگ ہے۔ ہم آہنگی کے اظہار کے لئے دورِ ازل سے جاری تخلیق کے روپ بہروپ ابد تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ ہر روپ ایک زاویہ ہے اور ہر زاویہ تجسس سے بھرپور ہے۔

خالقِ کائنات اللہ نے دنیا میں تخلیق کا ذریعہ[1] ماں کو بنایا ہے۔ بچہ جب تک ماں کے باطن[2] میں ہے اور ماں کو بچے کی موجودگی کا ادراک نہیں ہوا، یک رنگی غالب ہے۔ خط و خال ابھرنے کا عمل شروع ہوتے ہی دو رنگی غالب آجاتی ہے۔ ایک طرف ماں بچے کو خود سے ہم جان سمجھتی ہے اور دوسری طرف اپنے اور بچے کے درمیان اسپیس کو تسلیم کر کے اسے الگ روپ میں دیکھتی ہے اور دیکھنے کی یہ طرز بچے کو منتقل کرتی ہے۔

شاعر سراج اورنگ آبادی[3] نے کہا ہے،

دو رنگی خوب نہیں، یک رنگ ہو جا
سراپا موم ہو یا سنگ ہو جا

جب پہچان کے لئے نام کی ضرورت محسوس ہوئی تو باطن میں یک رنگ تصورات، ظاہر میں الگ الگ تشخص بن گئے۔ ہر بچہ ماں باپ سے پیدا ہوا اور ماں باپ نے ہر بچے کا نام رکھا۔

شعور — لفظ کا پابند ہو گیا۔

تخلیق کے بے شمار زاویوں میں ایک زاویہ آدم زاد ہے جس کے اندر کائناتی علوم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہے۔ اس سمندر میں اترنے کے لئے لفظوں[4] کی کشتی پر سوار ہونا دو رنگی کی سرشت[5] ہے۔ بچہ بڑا ہوتا ہے، ماں باپ اور ماحول کا شعور منتقل ہوتا ہے۔ اس شعور کو وہ نام کے شعوری آئینے سے گزار کر سنتا اور دیکھتا ہے

۱۔ میڈیم ۲۔ ریکارڈ ۳۔ اٹھارہویں صدی کے صوفی شاعر ۴۔ ناموں ۵۔ فطرت

اور الفاظ کے سہارے زندگی گزارتا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ لفظوں کے خط و خال اپنی اصل میں ایک ہیں۔ ان کا آغاز "نقطہ" اور پھر "لکیر" سے ہوا ہے۔ لکیریں جس سمت گئیں، زاویہ بن گیا۔ سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ نقطہ کیا ہے، لکیر کسے کہتے ہیں، لفظ کیسے بنتے ہیں اور الفاظ میں تصویروں کا نشر ہونا کیا ہے۔

جب بچہ اِس دنیا میں آتا ہے تو دنیاوی شعور کے لحاظ سے ذہن کورا کاغذ ہوتا ہے لیکن اندر میں نگاہ دیکھتی ہے کہ بچے کے ذہن کی اسکرین پر لاشعور کی نشریات جاری ہیں، آگاہی کی شمع جل رہی ہے جو لفظوں کی قید سے ماورا ہے۔ آگاہی سے غافل ماں باپ کی چھاپ جب بچے کی اسکرین پر پڑتی ہے تو وہ یاد کرلیتا ہے کہ مجھے ایک لفظ سے، جسے نام کہتے ہیں، پکارا جاتا ہے اور پھر اس لفظ سے افسانہ بن جاتا ہے۔

ابدالِ حق قلندر باباؒ نے فرمایا ہے،

اک لفظ تھا، اک لفظ سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا، اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ
میں خاک ہوا، خاک سے پیمانہ ہوا

لفظ شعور کی سیڑھی ہے — جب کہ حقیقت اس سیڑھی سے آگے ہے۔

شعور اور لاشعور کیا ہیں—؟

شعور—علم ہے جو فرد کو حواس کے ذریعے مظاہر اور ماحول کی پہچان دیتا ہے، ذات وصفات اور کائنات سے روشناس کراتا ہے۔ فی الارضِ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے، انسان کا شعور کائنات میں تمام موجودات سے واقف ہے۔

شعور کا منبع لاشعور ہے۔ یہ ذہن کی وہ سطح ہے جہاں ہر شے جس طرح تخلیق ہوئی ہے، اس حالت میں موجود ہے، وہاں سے مشاہدے میں آتی ہے اور شعور بنتی ہے۔ مشاہدے میں نقص ہے تو شے کی حقیقت ایسی نظر سے پنہاں رہتی ہے۔ اگر مشاہدہ حقیقت کے مطابق ہے تو شعور اور لاشعور کے درمیان فاصلہ سمٹتا ہے اور لفظ، معنی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

لفظ کیا ہے—؟

یہ شے، تصور، احساس یا منظر کی علامت ہے تاکہ اس کے ذریعے محدود ذہن کا فرد جب لامحدود کو تلاش کرے تو لفظ جن لکیروں سے مل کر بنا ہے، وہ لکیریں کھلیں اور معنی و مفہوم کی لامحدود دنیا مشاہدہ بن جائے۔ زاویوں میں بند

آدمی جب کسی شے یا کیفیت سے آشنا ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک نشانی، لفظ یا نام وضع کرتا ہے تا کہ شے کی پہچان کو باقی اشیا سے جدا کر کے اسے شناخت کرے۔ قلندر باباؒ فرماتے ہیں،

آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند
آدم ہے اسی قید کے اندر خورسند[6]
واضح رہے جس دم یہ لکیریں ٹوٹیں
روکے گی نہ اک دم اسے مٹی کی کمند[7]

ابدالِ حق قلندر باباؒ کے شاگردِ رشید شعور اور لاشعور کا قانون بیان فرماتے ہیں،

جو لاشعور کا قانون ہے،
وہی شعور کا قانون ہے۔

فکر کہتی ہے کہ اس قانون میں عیاں و پنہاں روشنی ذہن پر نہ کھلنے کی وجہ سے محدود فکر کا فرد جس کو 'آدمی' کہتے ہیں، شعور کو لاشعور سے الگ دیکھتا اور سمجھتا ہے ورنہ کائناتی نظام میں کارفرما شعور سے واقف ہستی کا قولِ زرّیں ہے،

جو لاشعور کا قانون ہے،
وہی شعور کا قانون ہے۔

ان الفاظ کا باطن لامحدود ہے۔ ایک معنی یہ ہیں کہ جب دونوں کا قانون ایک ہے تو پھر شعور اور لاشعور اپنی اصل میں ہم جان ہیں۔ محدود نظر سے اوجھل سطح کو ہم لاشعور کہتے ہیں۔ اس سطح کا مشاہدہ ہو جائے تو لاشعور کا شعور حاصل ہوتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ محدود ذہن جس سطح کو شعور کہتا ہے، وہ اس کے اپنے دیے ہوئے معنی و مفہوم سے بُنا ہوا "فکشن شعور" ہے۔

قانون پر تفکر سے علم کا ایک اور دریچہ کھلتا ہے کہ پہلے فرد کے لاشعور میں تحریک ہوتی ہے پھر شعور متحرک ہوتا ہے۔ شعور کی طرح لاشعور میں موجود نقوش کو ظاہر ہونے کے لئے بھی کہیں سے حرکت کی ضرورت ہے۔ ہم اس کو روح اور جسم کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

جسم حرکت کے لئے روح کا پابند ہے۔
روح حرکت کے لئے امرِ رب کی تابع ہے۔

روح میں ازل تا ابد کا ریکارڈ ہے۔ ریکارڈ کبھی تلف[8] نہیں ہوتا، وہ ایک جگہ سے غائب ہو کر کہیں نہ کہیں موجود ہوتا ہے۔ شعور دیکھنے کے لئے توجہ کا پابند ہے تو لاشعور کا مشاہدہ بھی نظر ٹھہرنے کا متقاضی ہے۔

صاحبِ مشاہدہ کے بتائے گئے قانون پر جتنا

۶۔ خوش، شادماں، مسرور ۷۔ رسّی کا پھندا، حلقہ، جال ۸۔ ضائع ہونا، ختم ہونا

غور و فکر کیا جائے گا، شعور اپنی کنہ "لاشعور" سے واقف ہو جائے گا۔

الفاظ اور معنی و مفہوم کی اِس دنیا میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ زبان اور الفاظ — رنگ ہیں اور رنگ طرز فکر ہے — رنگوں کا اظہار آواز کے ذریعے سماعت میں داخل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ ذہن لفظ سن کر معنی یا ریکارڈ سے ہمکنار ہوتا ہے نہ کہ حروفِ تہجی سے۔ مطلب یہ ہے کہ حروفِ تہجی سے بنے الفاظ محض اندر موجود کائناتی ریکارڈ کے لئے شناسائی کی علامت ہیں جن کو ہم نے اپنے ماحول کے مطابق تشکیل دیا ہے۔ مثلاً رات ایک ہے لیکن ہر زبان میں اس کا نام الگ ہے۔ ہم زبان کو میڈیم بنا کر اندر میں زندگی کے ریکارڈ کو دہراتے ہیں۔

یہ محدود طرز ہے۔

ریکارڈ لہروں کی شکل میں ہے اور ہر لہر ریکارڈ میں موجود کسی تصویر کا code ہے۔ جب ہم کوئی لفظ کہتے ہیں تو ذہن میں موجود کسی مفہوم کی علامت کو ظاہر کرتے ہیں لیکن یہ سارا انظام لہروں کی مدد سے انجام پاتا ہے۔ اگر ذہن الفاظ اور مفہوم کے پیچھے موجود لہروں کو جاننے کی کوشش کرے تو گفتگو کا میڈیم بدل جائے گا، وہ لہروں کی مدد سے بات چیت کرے گا پھر پیغام کی منتقلی کے لئے الفاظ کی محتاجی نہیں رہے گی۔

اللہ کے دوستوں — اولیاء اللہ کے نزدیک لفظ محض پردہ ہے، حقیقت پردے کے اُس پار معنی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ ضرورت کے مطابق الفاظ میں گفتگو کرتے ہیں ورنہ ان کی خاموشی بات کرتی ہے۔

الفاظ کی تعداد اور ترکیبیں محدود ہیں لیکن معرفت کی کوئی حد نہیں ہے بلکہ کائنات کے اسرار تک رسائی ہے۔ اولیاء اللہ جانتے ہیں کہ جو معنی دل پر منکشف ہوتے ہیں، وہ مشاہداتی ہیں اور جو کچھ الفاظ میں ڈھالا جاتا ہے، وہ معنی کا عکس ہوتا ہے اسی لئے وہ اندر میں دیکھنے، ظاہر میں باطن کو تلاش کرنے اور 'باطن کو ظاہر دیکھنے' کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

خواتین و حضرات قارئین، الفاظ کے پسِ پردہ معنی کی دنیا ہے۔ گزارش ہے کہ مضمون دوبارہ پڑھئے اور اُس دنیا کی سیر کیجئے۔ (ادارہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بوسیلہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم سب پر نازل ہوں اور ہمیں جسمانی اور روحانی سکون حاصل ہو، آمین۔

شک اور بے یقینی کے طوفان سے پیدا ہونے والی تقریباً دوسو بیماریوں اور مسائل کو یکجا کر کے کتاب "روحانی علاج" میں ان کا حل شائع کیا گیا ہے۔ کتاب "روحانی علاج" کی مقبولیت کے پیشِ نظر قارئین کے تعاون سے ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" نے اس کتاب کو گھر گھر پہنچانے کا پروگرام بنایا ہے۔

جو خواتین و حضرات راہِ للہ کے اس پروگرام میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔۔ ادارے سے رابطہ کریں۔

ملنے کا پتہ : **عظیمی یونیورسٹی پریس**® سرجانی ٹاؤن، کراچی

+92 307111 5224

info@azeemiuniversitypress.com

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ

عظیمیہ روحانی لائبریری جنڈ، اٹک

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات کے لئے
عظیمی صاحبؒ کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب روزانہ | حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

تسخیرِ کائنات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

''اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔''

(الجاثیۃ : ۱۳)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ہم نے تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

تمہارے تابع فرمان کر دیا۔

تمہارے حکم کے تابع کر دیا۔

جو کچھ زمین میں ہے اور آسمانوں میں ہے۔

سب کا سب۔

یعنی زمین کے اندر جو کچھ ہے، پانی، ہوا، سمندر، پہاڑ، درخت، آدمی، خود زمین، جو بھی کچھ ہے۔ زمین میں جو بھی کچھ ہے، سب کا سب مسخر کر دیا اور مسخر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

کیا مطلب ہے—؟ حکم کی تعمیل۔

ہر چیز حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہے۔ اور انسان—انسان کے لئے خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں، وسخر لکم — اور میں نے انسان کے تابع کر دیا، ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعا منہ — جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے، وہ سب کا سب، انسان کے لئے مسخر ہے، انسان کے تابع فرمان ہے۔

لیکن یہاں تو بات ہی دوسری نظر آرہی ہے کہ آدمی تابع ہے۔ آدمی زمین کے بھی تابع ہے، بخار کے بھی تابع ہے، صحت کے بھی تابع ہے، ہر چیز کے تابع ہے۔ کیوں تابع ہے—؟ اس لئے تابع ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری نہیں ہے — اگر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہوگی تو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے، مسلمانوں کے اندر وہی تمام خصوصیات آجائیں گی۔

تسخیرِ کائنات جس کو آپ کہتے ہیں — تسخیرِ

کائنات ایک یہ بھی ہے کہ جیسے اب سائنس کی ایجاد ہے، پہلے یہ سب کچھ نہیں تھا۔ اب جہاز اڑ رہے ہیں۔ جہاز اڑ رہے ہیں، کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا یہی مطلب ہوا کہ ہوا آپ کے لئے مسخر ہو گئی، اور بے شمار چیزیں ہیں۔ آپ جب تلاش کریں گے تو بے شمار چیزیں آجائیں گی۔

مثالیں بھی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز قضا ہو گئی۔ روایت ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمدؐ نے سورج کو اشارہ کیا اور غروب ہونے والا سورج پلٹ آیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی عصر کی نماز ادا کی اور سورج واپس غروب ہو گیا۔

قرآن کی آیت ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب تمہارے تابع کر دیا۔

"اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔"

(الجاثیۃ : ۱۳)

سورج اور چاند کو تابع کر دیا۔ تابع فرمان ہونا یہ نہیں ہے کہ چاند چاندنی دے رہا ہے۔ اس میں کیا فرماں برداری ہوئی؟ اور یہ کہ چاند کا نکلنا اور چاندنی دینا انسان کے لئے تابع فرمان ہونا ہے تو وہ تو دوسروں کے لئے بھی ہے۔ شیر کے بھی ہے، چکور کے بھی ہے، کبوتر کے بھی ہے۔ کیا کبوتر چاندنی سے فائدہ نہیں اٹھاتا؟

قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چاند کو اور سورج کو مسخر کر دیا ہے۔ ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ چاند اور سورج کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا ہے تو کام میں تو پرندوں کے لئے بھی نہیں لگا دیا ہے؟ یعنی کیا خصوصیت ہوئی؟ یہ درختوں کے کام میں نہیں آرہے کیا؟ کیوں بھئی؟ قرآن پاک میں ارشاد ہے،

"اس نے تمہاری بھلائی کے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔" (النحل: ۱۲)

کیا مطلب ہوا اس کا___؟

مسخر ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ چاند اگر

چاندنی دے رہا ہے تو کیا جانور اور پرندے چاندنی سے فائدہ نہیں اٹھا رہے؟ ان کے لئے بھی مسخر ہے۔ پھر—؟ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں انسانوں سے مخاطب ہیں نا؟ اس کا کیا مطلب ہوا کہ تابع کر دیا؟

مطلب یہ ہے کہ چاند بھی تابع ہے، سورج بھی تابع ہے، ستارے بھی تابع ہیں۔ اب زمین بھی تابع ہے اور زمین تابع ہے تو زمین کے اندر جتنی مخلوقات ہیں، وہ بھی تابع ہیں مگر ہمارے تو کچھ بھی تابع نہیں ہے لیکن — ذکر ہو رہا ہے انسانوں کا۔ اب دو کیٹیگری ہیں۔

ایک انسان ہے۔

ایک آدمی ہے۔

آدمی اور بکری میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بکری بھی کھاتی پیتی ہے، بکری بھی نہاتی دھوتی ہے، بکری کے بھی بچے ہوتے ہیں، بکری بھی دودھ پلاتی ہے اور یہ سارے کام آدمی بھی کرتا ہے۔ آدمی جو ہے، وہ حیوان ہے اور جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کے وہ علوم حاصل ہو جاتے ہیں جو تسخیرِ کائنات کے علوم ہیں تو اب آدمی کا نام "انسان" ہو جاتا ہے۔

"انسان ہماری بہترین صنّاعی ہے لیکن وہ اسفل سافلین میں پڑا ہوا ہے۔"

(التّین : ۴۔۵)

جب تک انسان کو الٰہی علوم حاصل نہیں ہوں گے، وہ تسخیرِ کائنات کے فارمولوں سے واقف نہیں ہوگا، فرشتے اس کے سامنے نہیں آئیں گے، وہ جنات کی دنیا سے واقف نہیں ہوگا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا عرفان اسے حاصل نہیں ہوگا، وہ حیوان ہے۔ حیوانِ ناطق۔

آدمی بولنے والا جانور ہے۔ کیوں بھئی، یہی کہتے ہیں نا؟ کیا کتا نہیں بولتا؟ بلی نہیں بولتی؟ شیر نہیں بولتا؟ مینا نہیں بولتی؟ کون سی ایسی مخلوق ہے جو نہیں بولتی؟ مچھلی نہیں بولتی؟ مرغی نہیں بولتی؟ پھر بولنے والے آدمی میں کیا فضیلت ہوئی؟

آپ یہ کہہ لیجئے کہ آدمی کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے اندر کچھ سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ آدمی کے علوم سیکھنے کی صلاحیت درزی، لوہار، بڑھئی، یہ بننے کی صلاحیت موجود ہے اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حیوانات سے اس لئے وہ ممتاز ہے۔ ممتاز تو ہے لیکن اس بنا پر وہ حیوانیت سے خارج نہیں ہوتا۔ انسان کہلانے کا مستحق وہ نہیں

ہے اس لئے کہ بہت ساری صلاحیتیں جانوروں میں ایسی ہیں جو آدمی میں نہیں ہوتیں۔

مثال کے طور پر بلی اندھیرے میں دیکھ سکتی ہے، آدمی اندھیرے میں نہیں دیکھتا۔ کتّے جو آپ کے مجرموں کو پکڑتے ہیں، وہ سونگھ کے بتادیتے ہیں کہ یہ مجرم ہے۔ چیونٹی، اس کی ناک اتنی تیز ہوتی ہے کہ دور دراز کی چیز بھی سونگھ لیتی ہے۔ آدمی گھر بناتا ہے۔ گھر چڑیا بھی بناتی ہے، اپنی ضرورت کے مطابق۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدمی کو حیوانات سے زیادہ عقل و شعور ہے لیکن عقل و شعور کی بنیاد پر آدمی چرندوں سے، پرندوں سے اور درندوں سے ممتاز نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ابھی دیکھیں، آدمی کیا کر رہے ہیں۔ ہر آدمی دوسرے آدمی کو مار رہا ہے۔ ہتھیار بن رہے ہیں۔ شیر کو درندہ کہتے ہیں۔ شیر نے کبھی بندوق نہیں بنائی۔

حیوانِ ناطق جس کو آپ کہتے ہیں تو بولنے والے کتّے بھی ہیں۔ یہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ آدمی میں عقل و شعور زیادہ ہے۔ اب عقل و شعور زیادہ ہونے کی بھی وجوہات ہیں۔ آدمی کی ساخت کو بھی سمجھنا ہے یعنی آدمی پڑھنا سیکھ لیتا ہے، لکھنا سیکھ لیتا ہے۔ اس کے ہاتھ کی ساخت ایسی ہے کہ وہ یہ سیکھ لیتا ہے۔ مرغی کیسے سیکھے گی یا شیر بندوق کیسے بنائے گا؟ اس کی ساخت ہی ایسی نہیں ہے لیکن شیر کو شکار کرنے کے لئے جتنی عقل و شعور کی ضرورت ہے، وہ ایک آدمی کے اندر بھی موجود ہے۔

قرآن پاک میں سورتوں کے نام ہیں۔

سورۃ النّمل، سورۃ العنکبوت، سورۃ البقرۃ، سورۃ الفیل، سورۃ الشّمس، سورۃ القمر، سورۃ النّجم۔ اس کا مطلب یہ کہ سورتوں کے نام اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ سب چیزیں باشعور ہیں۔ ان میں عقل بھی ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔

انسان محض عقل کی بنیاد پر جانوروں سے اور کائنات میں دوسری مخلوقات سے ممتاز نہیں ہوسکتا۔ کائنات میں اگر انسان ممتاز ہوسکتا ہے تو وہ یہ ہے — خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بنایا اور آدمؑ کو علم الاسماء سکھائے پھر آدمؑ کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ فرشتوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ ہم نہیں جانتے جو آپ نے آدمؑ کو سکھا دیا ہے۔

فرشتوں نے عرض کیا کہ آدم زمین میں فساد

برپا کردے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے فرمایا کہ ہم نے تمہیں جو علم سکھایا ہے، وہ تم بیان کردو۔

”اور اللہ نے آدم کو علم الاسماء سکھائے۔“

(البقرۃ: ۳۱)

آدمؑ نے ملائکہ کے سامنے وہ علوم بیان کئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم بھی یہ علم جانتے ہو تو بیان کرو۔

فرشتوں نے عرض کیا کہ نہیں، ہم یہ علم نہیں جانتے۔ ہم تو اتنا ہی علم جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان، اللہ تعالیٰ کی اصل مخلوق ہے۔ ساری اصل مخلوق ہیں لیکن آدمی اللہ تعالیٰ کی مشترک مخلوق ہے۔ جیسے کتّا، بلّی، شیر، گدھا، بیل، بھینس، گائے، ایسا آدمی بھی ہے۔ آدمی کے بھی بچے ہوتے ہیں، بلّی کے بھی بچے ہوتے ہیں۔ بکری بھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ماں بھی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ جانور بھی اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ماں بھی اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ جانور بھی اپنے بچوں کی ضروریات کے مطابق انہیں علم سکھاتے ہیں کہ کس طرح شکار کرنا ہے، کس طرح پکڑنا ہے۔ یہ علم آدمی بھی سکھاتے ہیں۔

جب تک آدمی عقل و شعور کے مشترک دائرے میں رہے گا، کتنی ہی ترقی کرلے،وہ آدمی ہے۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ آدمی زیادہ باعقل اور باشعور ہے۔ آدمیوں میں سارے باعقل اور باشعور تھوڑی ہوتے ہیں۔ سارے تو سائنٹسٹ نہیں ہوتے۔ پاگل بھی ہوتے ہیں۔

ہوتے ہیں کہ نہیں ہوتے؟

یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ ہر انسان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ انسانیت الگ چیز ہے اور آدمیت الگ چیز ہے۔ آدمی حیوان ہے، جانور ہے۔ اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسا جانور جو جانوروں سے بہت زیادہ عقل و شعور رکھتا ہے لیکن کئی جگہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کی عقل و شعور کچھ بھی نہ ہو۔ شہد کی مکھی ہے۔ آدمی وہ گھر بنا کر دکھائے۔ ایک پورا نظام ہے وہ۔ اگر مکھی غلط رس لے کر آجائے تو چوکیدار مکھیاں اس کو مار دیتی ہیں۔

نظریۂ رنگ و نور — یہ جو عنوان ہے، جو کتاب آپ پڑھ رہے ہیں، اس ساری کتاب میں اس

بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ انسان الگ چیز ہے، آدمی الگ چیز ہے۔اور نوعِ آدم جو ہے، وہ انسان بھی ہے، اور اس کے اندر وہ صلاحیتیں بھی کام کرتی ہیں جو حیوان میں کرتی ہیں۔

آدم — ہم سارے آدم ہیں۔

آدم کی اولاد آدم ہوئی نا؟

ہم سارے آدم کی اولاد ہیں۔ اگر ہمارے اندر آدمیت ہے تو ہم عالم فاضل نہیں ہیں۔ جس قدر انسانیت آپ کے اندر ہے، ارشادِ باری ہے،

"انسان ہماری بہترین صنّاعی ہے لیکن وہ اسفل سافلین میں پڑا ہوا ہے۔"

(التّین: ۴۔۵)

انسان احسنِ تقویم ہے۔ اسفل سافلین میں اس کو پھینک دیا۔ وہ جب اسفل سافلین میں ہے تو وہ آدمی ہے اور جب وہ اسفل سافلین سے نکل کر الٰہی علوم سیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علوم سیکھتا ہے تو وہ انسان ہے۔

آج کا جو سبق ہے، اس میں یہ پوائنٹ یاد کرنے کا ہے کہ اگر انسان علم الاسماء نہ سیکھے،

اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہ ہو،

بکری بھی کھاتی پیتی ہے، بکری بھی نہاتی دھوتی ہے، بکری کے بھی بچے ہوتے ہیں، بکری بھی دودھ پلاتی ہے اور یہ سارے کام آدمی بھی کرتا ہے۔ آدمی جو ہے، وہ حیوان ہے۔ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کے وہ علوم حاصل ہو جاتے ہیں جو تسخیرِ کائنات کے علوم ہیں تو اب آدمی کا نام "انسان" ہو جاتا ہے۔

اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب نہ ہو،

اگر انسان، اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھے،

اللہ تعالیٰ سے باتیں نہ کرے،

تو وہ کیا ہے—؟ آدمی۔

اور یہ کہنا کہ آدمی حیوانِ ناطق ہے، یہ بھی بہت بری بات ہے۔ یہ تو اپنی شیخی ہے خواہ مخواہ کی۔ کیا جانور بولتے نہیں ہیں؟ سارے کام کرتے ہیں۔ اب دیکھو چمپینزی (بن مانس) کو، مشینیں چلاتے ہیں۔ عقل ہے تو چلاتے ہیں نا؟

دو کیٹیگری ہو گئیں۔

ایک آدمی — ایک انسان۔

یہ جو ہم کلاسیں لے رہے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم کوشش کریں گے کہ آدمی، آدمیت میں رہتے ہوئے اس انسان کو تلاش کرے جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء عطا کیا ہے۔

شاہد احمد (عجمان)

خیالِ یار

”اب عشق کا اگر آپ نے راستہ اختیار کیا ہے تو اس طرح اپنے آپ کو غائب کر دو کہ موم بتی جلنے کے بعد دھاگا نہیں رہتا..... اگر ایسا ہو گیا تو عشق کا مقصد پورا ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔“

محب کی محبوب سے محبت،
عاشق کی مکینِ دل سے وابستگی،
سب عامل و معمول کا مظاہرہ ہے۔

عشق، محبت کا انتہائی درجہ ہے جو اپنی حدود میں لامحدود ہے۔ درس گاہِ عشق کا اصول نرالا ہے۔ یہاں عشّاق اپنے محبوب کی اجازت سے عشق کی جسارت کرتے ہیں۔ وہ ظاہر میں عامل لیکن باطن میں معمول ہوتے ہیں۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔
ہم نے اس اصول کی تفہیم سنی ہے۔
ہم نے اس اصول کی تفسیر دیکھی ہے۔
تحریر میں رمز روشن ہوا ہے تو آگے بڑھئے۔
اگر بات سمجھ میں نہیں آئی،
مضمون ابتدا سے دوبارہ پڑھئے۔

یہ طریقت کی وادی ہے جہاں محبوب کی انتہائی لطیف مقناطیسی کشش، قریب دُور دَور کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، وہ خود اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کشش کی لہروں کا محلِ وقوع کیا ہو۔ یہ کہاں تک پہنچیں، اور کس دل پر کتنی توانائی کے ساتھ اثر کریں..... کون فراق میں روئے، کون وصل سے آشنا ہو، کس کی تسکین ہو، کون تکمیل سے گزرے — اور پھر طلب کا نیا در کھل جائے۔

◆•◆•◆

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے شاگردِ رشید، صادقِ احوال، یگانہ وقت، حاملِ علمِ لدنّی، واقفِ اسرارِ ربانی — حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ اپنی روحانی تربیت کے ابتدائی دنوں کا واقعہ بیان فرماتے ہیں،

"ایک روز مجھے خیال آیا کہ میں اپنے پیرو مرشد سے جتنی محبت کرتا ہوں، میرا کوئی پیر بھائی شاید اتنی محبت نہیں کرتا۔ دماغ میں یہ خیال بار بار آتا رہا تو ایک دن حضور قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا،

خواجہ صاحب! یہاں بیٹھ جائیں۔

فرمایا، آپ نے لوہا دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا، جی، دیکھا ہے۔

پھر فرمایا، مقناطیس بھی دیکھا ہے؟

عرض کیا، حضور، مقناطیس بھی دیکھا ہے۔

انہوں نے پوچھا — کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ لوہے نے مقناطیس کو کھینچ لیا ہو؟

عرض کیا، حضور، یہ تو نہیں دیکھا۔

فرمایا — پھر مرید اپنے مراد سے کیسے محبت کر سکتا ہے؟ مرید لوہا ہے اور مراد مقناطیس۔ مرید اپنے مراد سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ لوہا مقناطیس کو نہیں کھینچ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مراد، مرید سے محبت کرتا ہے۔ اس محبت کا عکس جب مرید کی ذات میں داخل ہو جاتا ہے تو مرید یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اپنے مراد سے محبت کرتا ہوں۔"

قارئین! ابدالِ حق قلندر باباؒ نے اپنے شاگردِ رشید محترم عظیمی صاحبؒ کو انتہائی لطافت کا حامل وہ اعلیٰ مقناطیس بنادیا جس کی کشش ایک عالم تک محدود نہیں ہے۔

ذی وقار، نرم گفتار محترم عظیمی صاحبؒ سب سے محبت کرتے تھے اور ہم محبت میں کشش کی لہروں کو محسوس کر کے اُن کے گرد جمع ہوتے تھے۔ خلقِ خدا سے ان کی محبت اُس جنون کے تحت تھی جس کے لئے انہوں نے فرمایا،

"خدا کرے، میرا جنون آپ کا جنون بن جائے۔"

شب و روز مشن کے لئے وقف تھے۔ جب ہم دنیاوی مسائل لے کر حاضر ہوتے تو مسئلے کا حل، وظائف یا اعمال تجویز کرنے کے ساتھ اکثر یہ نصیحت فرماتے،

"اللہ کے بھروسے پر یقین کے ساتھ علاج کرنا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں تمہیں شفا دیتا ہوں۔"

اللہ کے دوست کی نصیحت پر عمل سے مسائل حل ہو جاتے تھے۔ ان کے تمام اقوال و افعال طرزِ فکر میں اس یقین کو راسخ کرتے ہیں کہ

"ہر شے رب کی طرف سے ہے۔"

مشاہدہ کرلینا کہ ہر شے رب کی طرف سے ہے، زندگی کی اساس ہے جس کی معرفت کی طرف انہوں نے متوجہ کیا۔

علمی سوالات کے لئے ان کی محفل میں حاضر ہوتے تو وضاحت سے سمجھا کر اپنی کسی کتاب کا حوالہ دیتے تھے کہ تصوف کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا چاہئے اور غور وفکر جاری رکھنا چاہئے۔

◆•◆•◆

مقصدِ تمہید یہ ہے کہ محترم عظیمی صاحبؒ کا روحانی ورثہ اورمشن ہماری علمی جائیداد اور فکری اثاثہ ہے۔ ان کی محبت کو محسوس کرنے والا ہر دل اس مشن کو آگے بڑھانا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے— یہ ہمارا فرض ہے۔

درحقیقت ہر مرید جو اپنی نسبت مرشد سے جوڑتا ہے، اُس کا مخاطب ہمیشہ اُس مرید میں ”عظیمی“ کو تلاش کرتا ہے لہٰذا،

ہر حال اور ہر قال میں اپنا روحانی
تشخص برقرار رکھیں۔[1]

ہمارے لئے قاعدہ ہے اور ضابطہ بھی۔

محترم عظیمی صاحبؒ کی تعلیمات اللہ اور اس کے محبوب خاتم النبیین حضرت محمدؐ سے محبت اور اطاعت کی تعلیمات ہیں۔ یہ سکھاتی ہیں کہ اطاعت کا تقاضا تب پورا ہوتا ہے جب انسان کائنات اور اپنی تخلیق کے منشا سے واقف ہو۔ ان کی تحریروں اور خطبات میں مقصدِ تخلیق سے متعلق اس حدیثِ قدسی کا حوالہ بکثرت موجود ہے— اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

”میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے مخلوق کو
محبت سے تخلیق کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔“

◆•◆•◆

محترم عظیمی صاحبؒ کی دہائیوں پر محیط محنت اور خدمت کا سایہ دار درخت ہر اُس فرد کا ورثہ ہے جو علم وعرفان کا ذوق رکھتا ہے۔

ذی شان ومہربان دوست نے،

① روزِ ازل میں خالقِ کائنات سے کئے گئے عہد کی یاددہانی کرائی۔ تقاریر و تصانیف میں اللہ تعالیٰ سے قربت اور محبت کی تکرار کرکے عوام میں طرزِ فکر بیدار کی کہ وہ ”مرتبۂ احسان“ حاصل کرسکتے ہیں۔ مرتبۂ احسان یہ ہے کہ بندہ اس بات کو یقین کی طرزوں میں محسوس کرے کہ وہ اللہ کے حضور حاضر و ناظر ہے۔

ا۔ یہ سلسلۂ عظیمیہ کے قواعد وضوابط کی پہلی شق ہے۔

۲ رات دن یعنی لیل و نہار کی عمومی تفہیم کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پیش کرکے اس کی وسعت کو اجاگر کیا۔ رات دن کی بطور حواس تشریح کرکے عام آدمی اور محققین کے لئے سوچنے سمجھنے کی ماورائی راہ دکھائی۔

۳ 'آدمی لباس ہے اور روح اصل ہے'، کی طرف متوجہ کرکے آدمی کو اندر میں انسان سے واقف ہونے کے راستے بتائے۔

۴ "مراقبہ" کی سائنسی تفہیم سے روشناس کرکے اِسے باطنی دنیا کی راہ گزر بتایا۔

۵ کائنات کے ظاہر و باطن میں تفکر کرنے والوں کے لئے "نظریۂ رنگ و نور" پیش کیا۔

۶ فنا سے گزر کر بقا کے راستے تلاش کرنے کے لئے انسپائریشن (لاشعوری تحریک) کی باطنی سائنس سے واقف کرایا۔

۷ باطنی علوم اور روحانی اصطلاحات کی سہل (آسان) الفاظ میں وضاحت کی۔

۸ قرآن کریم میں کائناتی رموز کی تشریح کی اور اسے ترجمے کے ساتھ پڑھنے اور سمجھنے کی تلقین کی تاکہ شعور پر جمی ہوئی گرد صاف ہو اور لاشعوری اسکرین واضح ہو جائے۔

۹ خواتین کو اندر میں روحانی صلاحیتوں کا شعور دیا اور دہائیوں قبل یہ پیش گوئی فرمائی کہ اگلا دور خواتین کا ہے۔ ان کی حیات ہی میں اس پیش گوئی کے آثار ظاہر ہوئے، یہاں تک کہ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا،

"دنیا مادری نظام میں داخل ہو چکی ہے۔"

ان کی کتاب "ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین" نئے دور کی تیاری کے لئے خواتین کو روحانی اقدار سے آشنا کرتی ہے تاکہ حکمرانی کے منصب پر فائز ہو کر خواتین اپنے دور کو روحانی اصولوں کی بنیاد پر تعمیر کریں۔

۱۰ آدم ڈے کا انعقاد کرکے نوعِ انسانی کو بلا تفریق مذہب و ملت، ابا آدمؑ اور اماں حواؑ کے کنبے کی حیثیت سے متحد ہونے کے لئے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا۔

یہ ان کی خدمات میں سے چند اقدامات ہیں اور ہر قدم و خدمت کے ثمرات لامحدود ہیں کیوں کہ اللہ کا دوست جب مخلوق کی فلاح کا پروگرام ترتیب دیتا ہے تو اس کے پیشِ نظر ایک نسل یا دور نہیں، کئی ادوار ہوتے ہیں۔

◆•◆•◆

خلاصہ: مشن چلانے کے لئے جنون چاہیے

اور جنون عشق سے حاصل ہوتا ہے۔ عشق جذبہ ہے جس میں پروانہ بن کر خود کو فنا کرنے والا شمع بن جاتا ہے اور شمع کے گرد لاکھوں پروانے دیوانہ وار رقص کرتے ہیں۔

عشق — خیالِ یار میں مست رہنا ہے، اپنی ذات کے خول میں بند رہ کر نہیں بلکہ علم دوست مرشد کے مشن کو آگے بڑھا کر تن، من، دھن سے اپنا فرض پورا کرنا ہے۔

مطلوبِ قلب و نظر فرماتے ہیں،

”اب عشق کا اگر آپ نے راستہ اختیار کیا ہے تو اس طرح اپنے آپ کو غائب کر دو کہ موم بتی جلنے کے بعد دھاگا نہیں رہتا۔ موم بتی کا جسم تو رہ جاتا ہے لیکن وہ دھاگا جو قربان ہوا ہے، اپنے محبوب پر اس طرح قربان ہو جاتا ہے کہ دھاگا نظر نہیں آتا — بس — اگر ایسا ہو گیا تو عشق کا مقصد پورا ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔ اب ہم کچھ بھی کہتے رہیں اور جلنے مرنے کا مقصد یہ لیں کہ ہم تو جل کر راکھ ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ — یہ سب کچھ نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں اس کے سوا کچھ آتا ہی نہیں ہے کہ میں نے اس پر قربان ہونا ہے۔ یہ قربانی نہیں ہے کہ آپ اس کے پیر دبا دیں، اس کو اچھا کھانا کھلا دیں، اس کو اچھے کپڑے سلوا کر دے دیں، اس کو خوشبوئیں بہت ساری لا کر دے دیں یا جو بھی کچھ ہے — یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ عشق یہ ہے کہ — آپ اپنی انا کو جو موم بتی کے اندر روشنی بن رہی ہے — جو اپنی نمائش کر رہی ہے کہ 'میں ہوں — میں ہوں، میں روشنی ہوں، میں روشنی ہوں' اور پروانے آتے ہیں، روشنی کے عاشق ہوتے ہیں، اُس روشنی کا طواف کرتے ہیں (دیکھئے گا کبھی) اور جوش میں آکر شعلے کی نذر ہو کر مر جاتے ہیں اور جب وہ موم بتی جلنے کے بعد ختم ہوتی ہے تو وہاں اُس کے خون کے — موم کے چند قطرے تو ملتے ہیں — لیکن دھاگا نہیں ملتا۔ موم جو ہے، اُس کا لباس ہے اور دھاگا جو ہے، اُس کی روح ہے۔“

امتحان میں کامیابی کے لئے : عشاء کی نماز کے بعد اوّل آخر گیارہ گیارہ (11) مرتبہ درود شریف کے ساتھ تین سو (300) مرتبہ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ پڑھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں۔ یہ عمل امتحان کا نتیجہ آنے تک جاری رکھنا چاہیے۔ (کتاب: روحانی علاج)

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ

عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور ــــ روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات و طلبہ کے لئے عظیمی صاحبؒ کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

کوکب شاہ عالم

الف سے اللہ
ب سے بسم اللہ

زندگی — بندگی بن جائے تو مقصدِ حیات کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔

آدمی مخلوق ہے اور مخلوق کو ہمہ وقت ساتھ کی ضرورت ہے۔ وہ زندگی گزارنے کے لئے سہاروں کی تلاش میں رہتا ہے اور کنبہ برادری کے حصار میں خود کو قید رکھتا ہے جب کہ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے تمام رشتے ناتے، ذرائع اور وسائل اس لئے بنائے ہیں کہ بندہ ان رشتوں اور وسائل میں اپنے خالق کی بے شمار نعمتوں کو تلاش کرکے اس بات پر غور کرے کہ تمام وسیلے اُس ذاتِ اقدس کے محتاج ہیں جو بے احتیاج، لامتناہی اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

غور طلب ہے کہ خالقِ کائنات نے جو وسیلے، رشتے اور نعمتیں مخلوق کو عطا فرمائی ہیں، ان پر غور و فکر سے روشنی اندر میں دریچوں پر دستک دیتی ہے تو ادراک ہوتا ہے کہ کائنات اپنے قیام کے لئے دروبست محتاج ہے اور اس لئے قائم کی گئی ہے کہ بندہ بشر اس میں غور و فکر کرکے اُس 'ذات' کی تلاش میں ہمہ تن گوش اور یکسو ہو جائے جو سب کا مالک ہے۔

ذاتِ کبریا چاہتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق کی تلاش میں قدم بڑھائے۔ جمادات، نباتات، حشرات الارض، چرند پرند، زمین و آسمان، ہوا، پانی، زیرِ زمین اور زیرِ آب مخلوقات اور آدمی، سب واحد ہستی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور اس بات کے پابند و محتاج ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے، جو چاہے — وہی ہوتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

”اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا
جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔“
(التکویر: ۲۹)

آدمی سانس لینے، سونے، جاگنے اور زندگی کے تقاضوں سے گزرتے ہوئے خود کو بااختیار سمجھ

لیتا ہے جب کہ بااختیار و خود مختار ذات خدائے واحد اللہ ہے اور زندگی، اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

" کہہ دیجئے، اللہ احد ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔
نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد
ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔"

(الاخلاص : ۱۔۴)

اللہ تعالیٰ مخلوق سے مخاطب ہیں — متوجہ کر رہے ہیں کہ جو رشتے ناتے اور وسائل مخلوق کو عطا کئے گئے، اللہ تعالیٰ ان سب سے ماورا ہے۔ مخلوق ہر لمحہ نیاز مند و پابند ہے جب کہ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں۔

سورۃ الاخلاص میں بیان کی گئیں پانچ صفات میں سے مخلوق — خالق سے براہِ راست رابطہ اگر رکھ سکتی ہے تو صرف یہ ہے کہ اپنی تمام ضروریات کا کفیل اللہ کو سمجھے — وسائل کے معاملے میں ساتھی مخلوقات سے بے نیاز ہو کر اللہ کی نیاز مند بن جائے۔

نیاز مندی کیا ہے —؟ بندگی کے دائرے میں رہنے کا تقاضا ہے اور تقاضوں کی ڈور اپنے اختیار کی نفی کر کے خالق کے خود مختار و بے نیاز ہونے کا یقین کے ساتھ اثبات کرتی ہے۔

یہ وہ طرزِ فکر ہے جو مخلوق کو مادی قید و بند سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے۔ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اسے غیر جانبدار طرز فکر فرمایا ہے۔ ابدالِ حق نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

" ہر شخص کو طرزِ فکر کے دو زاویے حاصل ہیں۔ ایک زاویہ بحیثیت اہلِ معاملہ اور دوسرا زاویہ بحیثیت غیر جانب دار۔ جب انسان بحیثیت غیر جانب دار تجسس کرتا ہے تو اس پر حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ تجسس کی یہ صلاحیت ہر فرد کو ودیعت کی گئی ہے تا کہ دنیا کا کوئی طبقہ معاملات کی تفہیم اور صحیح فیصلوں سے محروم نہ رہ جائے۔"

(بحوالہ: لوح وقلم)

بندہ جب تقاضوں کی تسکین و تکمیل میں خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے تو کیئر آف اللہ سوچنے کا پیٹرن قائم ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کے تمام عوامل میں ذاتِ باری تعالیٰ کی موجودگی کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ خود کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی حضوری میں پابند رکھتا ہے۔

جس طرح بچے کو دنیاوی تعلیم حاصل کرنے

کے لئے اسکول یا استاد کی ضرورت ہے، اسی طرح نوعِ آدم کو انسان، اشرف المخلوقات یا نیاز مندی کی طرزِ فکر اختیار کرنے کے لئے استاد، رہنما یا مرشد کی ضرورت ہے۔ مرشد — مرید کو انگلی پکڑ کر سیڑھی بہ سیڑھی سلوک کی راہوں سے آشنا کراتا ہے اور تجربات و مشاہدات کے ذریعے حقیقی فکر کی شناسائی دیتا ہے۔

لیکن — کسی بھی علم کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ شاگرد اپنے علم کی نفی کر کے خود کو استاد کے سپرد کر دے۔ جب شاگرد تسلیم کرتا ہے کہ میرا علم فکشن جب کہ "الف" سے "اللہ" اور "ب" سے "بسم اللہ" سکھانے والے استاد کا علم حقیقت ہے اور یہ بات یقین میں داخل ہو جاتی ہے تو زندگی، بندگی بن جاتی ہے۔ سلوک کی راہوں پر چلنے والا جب تک اپنی فکر کو مرشد کی فکر کے تابع نہ کر دے، راہ اس کے لئے مشکل اور دشوار ہو جاتی ہے۔ وہ محدود فہم کو علم سمجھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کئے گئے علم کے ذریعے مرشد، مرید کے ذہن میں فہم کے بند دروازوں کو کھولتا ہے۔ الوژن کے جال میں بند معاشرے کی صدیوں پرانی روایات اور طرزِ فکر کو کیئر آف اللہ سوچنے کا شعور عطا کرتا ہے۔

راہِ سلوک کا سفر اگرچہ کٹھن اور دشوار ہے لیکن جب بندہ، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت کے مطابق ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں پھر مادیت کے گہرے سائے چھَٹتے ہیں اور بندے کے اندر وہ حواس روشن ہو جاتے ہیں جو اسفل سافلین کی قید سے آزاد کر کے آدمی کو احسنِ تقویم انسان بناتے ہیں — اس منصب پر فائز ہونے کے لئے وہ مقام بھی آتا ہے جب مرید کو منزل رسیدہ مرشد کی نسبت سے خاتم النبیین، محبوبِ رب العالمین حضرت محمد رسول اللہؐ اور رب العالمین اللہ کی قربت نصیب ہوتی ہے۔

خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ، مرشدِ کریم، حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ فرماتے ہیں،

"ہر شخص کو دو طرزِ فکر حاصل ہیں یا ایک ہی طرزِ فکر کے دو زاویے حاصل ہیں۔ ایک زاویہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات سے الگ ہو کر سوچتا ہے اور دوسرا زاویہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات

کو سامنے رکھ کر غور وفکر کرتا ہے۔ جو بندہ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر تجسس کرتا ہے یا کسی مسئلے کو گہرائی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے اوپر حقائق منکشف نہیں ہوتے اور جو بندہ اپنی ذات سے ماورا ہو کر یعنی غیر جانبدار ہو کر کسی مسئلے کی حقیقت کو تلاش کرتا ہے تو اُس کے اوپر حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔"

(بحوالہ: شرحِ لوح وقلم)

حاصلِ تحریر: زندگی بندگی اور بندگی زندگی ہے۔ زندگی و بندگی یہ ہے کہ بندہ دروبست اللہ کا نیازمند ہو کر زندگی گزارے اور معمولات میں جانبدار طرز فکر کو ترک کر کے غیر جانبدار طرز فکر اختیار کرے —— ہر شے اور امر کے من جانب اللہ ہونے پر یقین رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ لاشمار نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ان میں غور وفکر کر کے اسرارِ کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ کائنات کے اسرار سے واقف ہونے کا بہترین ذریعہ قرآن کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"اور ہم نے اس قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا۔ ہے کوئی سمجھنے والا؟" (القمر: ۱۷)

منزل

بے نیازی کی صفت یعنی مخلوق اپنا ذہن دنیاوی تمام وسائل سے ہٹا کر اللہ کے ساتھ وابستہ کر لیتی ہے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو مخلوق کے اوپر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ ہمارا خالق اور رازق اللہ اور صرف اللہ ہے۔ اس یقین کے ساتھ زندگی گزارنے والے بندے جب زندگی میں جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں تو کہتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم یہ کوشش اور جدوجہد اس لئے نہیں کر رہے کہ کوشش کے نتائج ہمارے ارادوں کے تابع ہیں بلکہ اس لئے کوشش کرتے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ کائنات متحرک رہے۔ رنگ روپ میں بنی سنوری یہ کائنات اپنے محور پر گردش کرتی رہے تا آنکہ اسے اپنی منزل مل جائے اور یہ کُن سے پہلے کے عالم میں داخل ہو جائے۔ (کتاب: تجلّیات)

دعا ہے کہ ہم سب کو مرشدِ کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ کی تعلیمات کی فہم عطا ہو، مثبت طرز فکر اور غور وفکر ہمارا طرزِ نظر بن جائے اور ہم کیئر آف اللہ سوچنے کی صلاحیت اور توفیق سے وابستہ رہیں، آمین۔

حامد ابراہیم

میں کون ـــــ؟

اوپر تصویر کے بائیں طرف گھر میں آگ لگی تھی جب کہ نچلا گھر سلامت تھا۔ سوال کیا گیا کہ وہ کس گھر میں رہنا پسند کرے گی تو اس نے ہر بار سلامت گھر پر ہاتھ رکھا۔

جدید لیبارٹری میں میز کرسیوں کے 20سیٹ لگے ہیں۔ ایک سیٹ میں دو کرسیاں اور ایک میز ہے۔ ایک کرسی پر رضا کار اور دوسری پر محقق قلم کاغذ لئے بیٹھا ہے۔ تمام محققین ایک سوال کے جواب کے لئے سرگرداں ہیں اور ارادہ ہے کہ کم از کم دو ہزار انٹرویو کئے جائیں۔

ایک محقق نے رضا کار زید سے سوال کیا،

کیا لینا پسند کرو گے، چائے، کافی یا کچھ اور؟

جواب میں زید کہتا ہے، چائے اور بسکٹ۔

ساتھ والی میز پر دوسرے محقق کے سامنے محمود بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں کافی کا کپ ہے اور میز پر پلیٹ میں آلو کے نمکین چپس ہیں۔

پہلا محقق زید سے سوال کرتا ہے، تم نے چائے پسند کی، کافی یا دیگر کو رد کیا اور بسکٹ منگوائے۔ کیوں؟ جب کہ محمود نے ایسا نہیں کیا۔

زید نے جواب دیا، کیوں کہ میں زید ہوں، محمود نہیں ہوں۔ میری اپنی پسند ناپسند ہے۔ میری شخصیت جدا ہے جیسا کہ ہر دوسرا فرد طبع اور شخصیت میں منفرد اور الگ ہے۔

محقق نے پوچھا، تمہیں انفرادیت کا احساس کہاں سے ملا اور کیسے جانتے ہو کہ یہ تم ہو، کوئی اور نہیں ہے؟

زید سوچ میں پڑ گیا پھر کہا، مجھے نہیں معلوم لیکن اپنے ہونے کا احساس سنِ شعور سے ہے کہ میرا ایک مخصوص تشخص ہے۔

محقق کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور اس نے پوچھا، جب سے تم نے ہوش سنبھالا ہے، ذہن میں انفرادیت کا احساس پہلے سے موجود ہے یعنی تم نے یہ احساس کسی تجربے یا وقت گزرنے کے ساتھ از خود پیدا نہیں کیا۔

زید نے کہا، بالکل نہیں۔ یہ پہلے سے موجود ہے۔ کبھی نہیں لگا کہ میں، میں نہیں ہوں۔

محقق نے سوال کیا، جب انفرادیت کا احساس تمہارے اندر پہلے سے ہے تو پھر یہ کہیں سے آیا ہے۔ بات واضح ہے کہ تمہاری انفرادیت کسی کا تخلیق کردہ پروگرام ہے۔

زید جواب نہ دے سکا۔

بیان کی گئی تمثیل کی طرز پر ہزاروں افراد کا ریکارڈ اکٹھا کیا گیا اور مختلف آلات کی مدد سے تجربات کئے گئے ہیں لیکن سوال بدستور موجود ہے کہ ایک فرد کا شعور جو اپنی انفرادیت میں رہتے ہوئے دوسرے افراد یا اشیا سے ربط پیدا کرنے کا احساس دیتا ہے، کی حقیقت کیا ہے؟

یہ سوال بنیادی اور قدیم ہے۔

مغرب میں اس پر تحقیق کرنے والوں میں ایک نمایاں نام ڈیوڈ چامرز کا ہے جو نیویارک یونیورسٹی میں شعور، ذہن اور دماغ سے متعلق تحقیقاتی شعبے کے سربراہ ہیں۔ شعور کی حقیقت جاننے سے متعلق ان کے الفاظ ہیں:

”سائنس نے بہت ترقی کی ہے اور ہم بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ چیزیں کس طرح کام کرتی ہیں۔ ہم نے فارمولے بنائے ہیں اور عملی طور پر ان سے کام بھی لیتے ہیں لیکن یہ کیسے ہوتا ہے؟ ہمارا ایک شعور ہے جس کی بنا پر ہم یہ سب کرتے ہیں، وہ شعور کیا ہے؟ یہ سب سے بڑا اور مشکل سوال ہے کہ شعور، انفرادیت اور ہونے کا احساس کیا ہے؟ ہم اسے Hard Problem of Consciousness کا نام دیتے ہیں۔“

”شعور کا سوال“ مادی سائنس کے لئے اتنا مشکل کیوں ہے—؟

(واقعہ) ایک امریکی خاتون کو سر کے داہنے حصے میں چوٹ لگی جس سے دائیں دماغ کا بڑا حصہ ناکارہ ہوگیا۔ آنکھیں ٹھیک تھیں لیکن ایک آنکھ سے منسلک دماغ کے بصری خلیات ناکارہ ہوگئے اور وہ کسی بھی شے یا منظر کا نصف دیکھنے سے قاصر ہوگئی۔ اس کے سامنے، اوپر نیچے، ایک گھر کی دو تصاویر رکھی گئیں۔ گھر کے دائیں حصے ایک جیسے اور بائیں حصے جو وہ نہیں دیکھ سکتی تھی، مختلف تھے۔ اوپر تصویر کے بائیں طرف گھر میں آگ لگی تھی جب کہ نچلا گھر سلامت تھا۔ سوال کیا گیا کہ وہ کس گھر میں رہنا پسند کرے گی تو اس نے ہر بار سلامت گھر پر ہاتھ رکھا۔ تصویریں اوپر نیچے کی گئیں لیکن ہر بار محفوظ گھر کا انتخاب کیا جب کہ وہ آگ

سے بے خبر تھی۔ وجہ پوچھنے پر کہا، پتہ نہیں، بس مجھے کچھ صحیح نہیں لگا۔ اسی طرح جب اس کی بائیں جانب گیند پھینکا گیا، اس نے خود کو بچا لیا حالاں کہ وہ گیند کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

ایسے بہت سے تجربات ریکارڈ پر ہیں۔

محققین کے سامنے بڑا سوال یہ ہے کہ اگر دماغی پراسیسنگ، اس کا تاثر اور جمع تفریق شعور ہے تو پھر دماغ کے ایک حصے کی غیر موجودگی میں اس حصے کی اطلاع کہاں سے آرہی ہے؟

اب وہ تسلیم کرتے ہیں کہ دماغ ایک مشین ہے لیکن شعور، اپنے ہونے کا احساس یا تشخص، بالکل الگ شے ہے۔ کیا ہے؟ نہیں معلوم!

ہم مادی علوم اور مادی حواس کے ذریعے نہیں جان سکے کہ شعور کیا ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ شعور، خیالات اور احساسات بذاتِ خود مادہ نہیں ہیں۔ یہ مادی قالب میں نظر نہیں آتے۔ ہم کسی کو یاد کرتے ہیں تو کیا یاد کرتے ہیں—؟ تفکر سے انکشاف ہوتا ہے کہ یاد کرتے ہوئے 99 فی صد ظاہری یا مادی جسم کی بجائے اس شے یا فرد کی صفات کو یاد کرتے ہیں۔ ظاہری شکل ابتدا میں ذہن کی اسکرین پر ضرور بنتی ہے لیکن تصویر کھڑکی یا دروازے کا کام کرتی ہے پھر ذہن صفات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

پیاس کا خیال آتا ہے تو پانی کی تصویر نمودار ہوتی ہے اور وہ صفات جو پانی کو پانی بناتی ہیں، ذہن میں دَور کرتی ہیں۔ سیرابی، نمی، تری، بہاؤ، خنکی کی طرف توجہ مبذول ہو جاتی ہے۔ ایسا سیال جو پانی جیسا رنگ اور دیگر خواص میں مشابہ ہو لیکن پانی نہ ہو تو وہ پانی کا نعم البدل نہیں ہے۔ مادی وجود اور شکل خول ہے جو مخصوص تشخص اور صفات کی وجہ سے قائم ہے۔ خول کی تلاشی سے ذات و صفات کا سراغ نہیں ملتا۔

مصنوعی ذہانت کا شہرہ ہے۔ ایسی باتیں عام ہیں کہ اگر کمپیوٹر اور مشینوں نے مستقبل میں انفرادی شعور یا تشخص قائم کرلیا تو وہ آدمی کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ ان خیالات پر فلمیں بن چکی ہیں، ناول لکھے جا چکے ہیں کیوں کہ یہ موضوع دلچسپ اور ڈرامائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی پہلے مشین یا کمپیوٹر کو تربیت دیتا ہے یعنی اطلاعات کو منشا کے مطابق ایک پروگرام کی صورت میں مشینوں کو منتقل کرتا ہے اور وہ ہدایات پر عمل کرتی ہیں۔

مشینیں اور مصنوعی ذہانت وغیرہ آدمی کی ذہانت ہیں جن کو ذہن اطلاعات کی صورت میں کہیں سے وصول اور قبول کرتا ہے تو ان کا مظاہرہ ہو جاتا ہے۔ خیال کو وصول کرنے اور معنی دینے والی ایجنسی کون سی ہے اور کہاں ہے؟

سائنسی تحقیق اور تجربات اب تسلیم کرتے ہیں کہ کھوپڑی (skull) کے اندر دماغ کی حیثیت مشین کی ہے جس کے مجموعی output یا تاثر کو ذہن نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ دماغ کے بعض حصے اور کئی دفعہ نصف تک نکال دینے سے ذہن حواس کو کسی طور پر استعمال کرلیتا ہے۔

دلچسپ نکتہ: حاملِ علمِ لدُنّی، حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

"بہت سے کند ذہن و کند فہم لوگ جو بیداری میں پڑھی ہوئی شاعری یاد نہیں کرسکتے، بحالتِ خواب سنی ہوئی پوری پوری غزل بیدار ہونے پر سنا دیتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک اَن پڑھ شخص عالمِ رویا میں کسی علمی محفل میں شریک ہوتا ہے اور بیدار ہونے پر علم و حکمت کی باتیں بیان کرنے لگتا ہے۔ بعض حالات میں شعور اس حد تک بیدار ہوتا ہے کہ خواب میں بھی تخلیق کا کام جاری رہتا ہے اور یہ تخلیق بیداری میں کی گئی تخلیق سے عمدہ ہوتی ہے۔"

(کتاب: آپ کے خواب اور ان کی تعبیر)

خواب میں مادی جسم بشمول دماغ، موجود لیکن بے حس و حرکت ہوتا ہے۔ نیند کی حالت میں دماغ کے اوپر لاشمار تجربات کئے گئے ہیں لیکن خواب کی اصل تک نہیں پہنچ سکے۔ بیمار آدمی خواب میں خود کو صحت مند دیکھتا ہے، جاہل خود کو عالم و دانا کے طور پر دیکھ لیتا ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جو زبان کبھی سیکھی نہیں، خواب میں اسے فرفر بولتا ہے، مرحوم عزیز رشتہ داروں سے ملتا ہے، نئی اشیا تخلیق کرتا ہے اور مستقبل کے حالات دیکھ لیتا ہے۔

آدمی تفکر کرے تو اللہ کی دی ہوئی توفیق سے سمجھ سکتا ہے کہ اس کی انفرادیت، ذہن یا شعور کی حقیقت ہرگز مادی جسم نہیں ہے۔ مادی جسم محض ایک معمول اور فرماں بردار مشین ہے۔

نیند کی حالت میں جب مادی جسم بستر پر ہوتا ہے، ہماری جان یا اصل کہاں جاتی ہے—؟ ہم اس لئے بیدار ہوتے ہیں کہ ہمیں مادی جسم کے پنجرے میں واپس بھیج دیا جاتا ہے ورنہ نیند طویل بے ہوشی یا موت بن جاتی ہے۔

۲ غیر مادی وجود یا جسمِ مثالی نیند میں بھی بیدار اور متحرک ہے۔

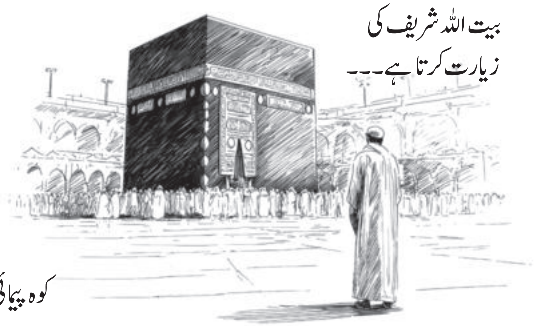

بیت اللہ شریف کی زیارت کرتا ہے---

کوہ پیمائی کرتا ہے---

چائے پیتا ہے---

چہل قدمی کرتا ہے---

۱ مادی وجود نیند میں کسی حد تک بے حس و حرکت یا معطل ہے۔

بیداری میں جسمِ مثالی مادی جسم کو معمول یا میڈیم بنا لیتا ہے، نیند میں اس میڈیم کے بغیر متحرک ہوتا ہے۔

پھر اصل آدمی کون ہے؟

بیداری کے بارے میں پڑھئے۔

ہمارا خواب والا جسم، مٹی کے جسم پر محیط ہوتا ہے، اسے چلاتا ہے اور مادی جسم کو میڈیم بنا کر کام کرتا ہے جب کہ خواب میں یہ مٹی سے بنے جسم کے بغیر متحرک ہوتا ہے۔

ہم زندگی کو جس طرز پر گزار رہے ہیں اور جس نگاہ سے اسے دیکھ رہے ہیں، وہ بڑا توانا فریب ہے — ہم خود کو بیداری میں متحرک مادی جسم کی حیثیت سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور دوسروں کے بارے میں بھی یہی خیال کرتے ہیں لیکن خواب میں متحرک جسم کو اس طرح اپنا آپ یا اصل شخصیت تسلیم نہیں کرتے جب کہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

گوشت پوست کے جسم کے اپنے کوئی حواس، کوئی ذہن یا کوئی حرکت سِرے سے موجود نہیں ہے۔ اللہ کے حکم سے جب تک خواب کا جسم اس کے ساتھ منسلک رہتا ہے، مادی جسم اس کا معمول بنا رہتا ہے۔ جب خواب کا جسم اسے مستقل طور پر چھوڑ دیتا ہے تو مادی جسم مٹی میں چھپ جاتا ہے۔

المیہ ہے کہ ہم تمام عمر جس کو میں، میرا، وغیرہ سمجھتے ہیں، وہ مادی جسم ہرگز نہیں ہے۔ جو جسم احساسات مادّی جسم کو منتقل کرتا ہے، اس کی جانب وہ کبھی توجہ نہیں دیتے۔

یہ جسم دراصل کیا ہے؟ محترم عظیمی صاحبؒ نے اپنی تحریروں میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے۔

”روح نے اپنے لئے ایک میڈیم بنا لیا اور اس میڈیم کو حواس منتقل کر کے متحرک کر دیا۔ روح مادی جسم کو ایک ایجنسی کے ذریعے حواس منتقل کرتی ہے۔ اس ایجنسی کو ’جسمِ مثالی‘ کہتے ہیں۔ روح جو اطلاعات جسم کو دینا چاہتی ہے، وہ اطلاعات اور تقاضے ’جسمِ مثالی‘ وصول کرتا ہے اور ان تقاضوں کے اثرات گوشت پوست کے جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔ ’جسمِ مثالی‘ انسان کے مادی جسم کے اوپر روشنیوں سے بنے ہوئے ایک لطیف جسم کی صورت میں ہوتا ہے۔ روشنیوں سے بنا ہوا یہ جسم صرف انسان کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ زمین کے اوپر جتنی بھی مخلوق موجود ہے، سب اس ہی طرح روشنیوں سے بنے ہوئے جسم کی ذیلی تخلیق ہیں۔“ (کتاب: آگہی)

یاسمین گُل

مجھی کو دیکھ لیں اب تیرے دیکھنے والے
تو آئینہ ہے مرا، تیرا آئینہ ہوں میں

وہ مہربان مسکراہٹ جسے دیکھنے کے لئے عشّاق دور دور سے کشاں کشاں چلے آتے تھے۔
جب حاضری نصیب ہوتی تو پھر سوال باقی رہتے نہ جوابوں کا غم، بس ایک نظر کی عطا اور عشق کا دم!

عارفِ وقت نے زندگی کا فارمولا بتایا۔

غیب + ظاہر + غیب

زندگی ہر لمحہ لاشعور سے آتی ہے اور مظاہرہ کر کے لاشعور میں لوٹ جاتی ہے۔ لاشعور سے لاعلمی کی بنا پر زندگی کی تسکین ہوتی ہے، تکمیل نہیں ہوتی اس لئے نامکمل ہونے کا احساس ساتھ رہتا ہے کیوں کہ عارضی آسائشوں کے لئے لامحدود دنیا کو نظر انداز کرنے والے ہر دنیا میں بے چین و بے قرار ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے مٹی کے پُتلے میں روح پھونکی تو اس کے اندر صلاحیتیں منتقل ہوگئیں کہ وہ حکمِ الٰہی سے اپنا اور کائنات کا راز جان سکتا ہے لیکن ہم 'اندر میں' جوہر کو تلاش نہیں کرتے بلکہ گریز کر کے دنیاداری میں اتنا الجھ گئے ہیں کہ معمولی فائدے اہم اور اچھے لگتے ہیں۔ ہم جاننا نہیں چاہتے کہ نوعِ آدم کے اندر کون سے تخلیقی فارمولے کام کر رہے ہیں اور یہ کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں لوٹ جاتا ہے۔

محترم خواتین و حضرات قارئین — زندگی ہر لمحہ اپنا آپ ہم پر ظاہر کرتی ہے اور غیب ظاہر غیب کا فارمولا اس مظاہرے پر محیط ہے۔

ے خدا جانے کہاں سے جلوۂ جاناں کہاں تک ہے
وہیں تک دیکھ سکتا ہے نظر جس کی جہاں تک ہے

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمیؒ سے پہلا تعارف 1984ء میں ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ کے ذریعے ہوا۔ ان کی تحریروں میں کشش نے اندر میں گم کر کے اللہ سے محبت کرنا سکھایا اور بتایا کہ خوف سے دوری پیدا ہوتی ہے — اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

ذوق و شوق سے رسالہ پڑھتی۔ روحانی ڈاک پسندیدہ سلسلہ تھا— سوالوں کے جواب متحیر کر دیتے۔ کسی نے مسئلہ بیان کیا کہ اس کی ناک لمبی ہے تو محترم عظیمی صاحبؒ نے فرمایا کہ وضو کریں اور لوٹے سے اپنے پاؤں پر پانی بہائیں، مسئلہ حل ہو جائے گا۔

حوروں سے ملاقات کا مراقبہ جو خوب صورتی کے لئے تھا، بہت انوکھا لگا۔ ایک مسئلے کے جواب میں فرمایا کہ رات کو چھت پر لیٹ کر آسمان پر ستاروں کی گنتی کریں۔ کسی سے فرمایا کہ اپنے دستخط کریں، مسئلہ حل ہو جائے گا۔

انہوں نے کسی کو علاج کے لئے نیگیٹو بینی، کسی کو دائرہ بینی، کسی کو پیراسائیکالوجی اور کسی کو رنگ اور روشنی سے علاج بتایا۔

رزق میں فراوانی کے لئے چڑیوں کو دانہ ڈالنے اور چیونٹیوں کے لئے چینی رکھنے کی تلقین کی۔ کسی کو نقش اور کسی کو کوئی وظیفہ بتا دیا۔

ان کی ہدایت کے مطابق کئے گئے مراقبہ کی کیفیات جو خواتین و حضرات بھیجتے تھے، اور خواب کی تعبیر— اپنی جگہ علم کی ایک دنیا تھی۔

عارفِ وقت کے علم نے حیران کر دیا۔

اس زمانے میں ان کی کتب ’آوازِ دوست‘، ’کشکول‘، ’توجیہات‘ اور ’مراقبہ‘ کے علاوہ ’جنت کی سیر‘ نہ جانے کتنی بار پڑھیں۔ ہر بار نیا زاویہ آشکار ہوتا۔ اندازِ تحریر سادہ اور عام فہم تاکہ ہر فرد اور طبقے تک علم کی رسائی ہو۔

تحریروں سے شناسائی اور بالمشافہ ملاقات میں طویل وقفہ ہے۔ 1984ء میں پہلی تحریر پڑھی اور 1995ء میں پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ فیصل آباد تشریف لائے تو سلام کے لئے حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں آپ کو دیکھنے آئی ہوں۔

یہ انتہائی مختصر حاضری تھی۔

فیصل آباد میں عقیدت مند ان سے ملاقات کے لئے کراچی جاتے تو رشک آتا تھا کیوں کہ ہمارے گھرانے میں تصوف سے واقفیت نہیں تھی اس لئے میرے لئے کراچی، امریکا سے بھی دور تھا۔ ان حالات میں صاحبِ علم و معرفت کی تحریریں میرے لئے ملاقات تھیں۔

ان کی تحریروں کو بار بار پڑھا ہے۔ جب کسی کتاب کو ذوق و شوق سے پڑھا جائے تو الفاظ میں پنہاں صاحبِ کتاب کے اسرار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فہم، اُن کی فہم کے تابع ہو جاتی ہے۔

قاری، ایسے میں، مصنف سے اتنا قریب ہو جاتا ہے جتنا کہ ہاتھ میں کتاب۔

صاحبِ طریقت و تکوین محترم عظیمی صاحبؒ کی تحریروں اور تقریروں میں ان علوم کا ذکر ہے جن کے لئے جسمانی حاضری سے زیادہ روحانی حاضری درکار ہے۔ جب پڑھنے والا یکسو ہوتا ہے تو علم اور اسے سمجھنے کی فہم منتقل ہوتی ہے۔

؎ الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

الحمد للہ، وہ وقت بھی آیا جب کراچی جانے کے راستے کھلے۔ عرس پر جب ہم کراچی جاتے تھے تو شوقِ دید میں انتظار کی گھڑیاں طویل ہو جاتی تھیں۔ مختلف شہروں اور ممالک سے آئے زائرین کی ترتیب وار ملاقات ہوتی تھی۔ ہر ایک منتظر ہوتا کہ ملاقات ہو اور اس ملاقات سے شعور پر سے تھکاوٹ اتر جاتی۔ وہ مہربان مسکراہٹ جسے دیکھنے کے لئے عشّاق دور دور سے کشاں کشاں چلے آتے تھے!

جب حاضری نصیب ہوتی تو
پھر سوال باقی رہتے
نہ جوابوں کا غم،
بس ایک نظر کی عطا
اور عشق کا دم۔

کیا خبر تھی کہ جنوری 2025ء کے عرس کے بعد ظاہری ملاقات نہیں ہو گی!

؎ محفلِ ہستی میں کس سے یار کا پوچھوں پتہ
شمع بھی خاموش ہے پروانہ بھی خاموش ہے

مرشد کریم محترم عظیمی صاحبؒ جنہیں سب عقیدت سے اباجی کہتے ہیں، نے 2024ء میں قلندر شعور اکیڈمی، فیصل آباد کی کراچی میں مہمان نوازی کی — یہ ہماری زندگی کا یادگار سفر ہے۔ بے حد مصروف معمولات کے باوجود بھرپور وقت دیا اور سب کے سوالوں کے جواب دیے۔ وہ چاہتے تھے کہ علم کے متلاشیوں کے اندر میں تشنگی* رہے لیکن محرومی نہ رہے۔

اباجی نے اپنے بچوں کے کیسے کیسے لاڈ اٹھائے ہیں۔ محبت و عنایت پر آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ وہ سب کے دوست، غم گسار اور سب کے رازدار تھے۔ ہر ایک کی بات توجہ سے سنتے۔ ان کی محفل سے ہر ایک شاد کام لوٹتا۔

* تشنگی علم کی پیاس اور دیدِ دوست کی تڑپ کو بڑھاتی ہے۔

یہ محبت نہیں تو اور کیا ہے کہ جس سے اباجی کی بات کریں، اس کی باتیں سن کر لگتا ہے کہ اباجی سب سے زیادہ اسے چاہتے ہیں۔

ایک ملاقات میں عرض کیا کہ ذہن سے negativity ختم نہیں ہو رہی؟

مہربان دوست نے فرمایا،

''پانچ دس منٹ تک آسمان کی طرف دیکھا کریں اور سوچیں کہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے، ان شاء اللہ — کچھ ہی دن میں آپ کی نیگیٹیوٹی ختم ہو جائے گی۔''

ہمیشہ کی طرح یہ آسان اور انوکھا حل تھا۔ انہوں نے ہمارے اندر غور و فکر کی طرز بیدار کی ہے۔ تفکر کیا کہ اباجی اکثر آسمان کو دیکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

ان کی تعلیمات کی روشنی میں ناچیز نے سمجھا کہ آسمان لاشعور ہے۔ سات آسمان درجہ بدرجہ سات لامحدود شعور ہیں۔ اباجی چاہتے ہیں کہ ہم لاشعور کے مسافر بنیں اور ہر شے کی کنہ تلاش کریں تاکہ لاشعور، ہمارا شعور بن جائے۔

محترم عظیمی صاحبؒ نے احساس دلایا کہ ہم فکشن شعور میں رہتے ہیں۔ لفظ فکشن خود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ فکشن کا وجود نہیں ہے اور اس کے تحت جو کچھ سمجھا جاتا ہے اور جو کچھ نظر آتا ہے، اسے جائے قرار نہیں۔ سادہ الفاظ میں بات یہ ہے کہ — ہم دیکھ کر بھی نہیں دیکھ رہے، سن کر بھی نہیں سن رہے جب کہ اپنے سننے دیکھنے کو دیکھنا اور سننا سمجھ رہے ہیں۔

مرشد کریم نے فرمایا،

''میرے پاس علمِ حقیقت ہے اور آپ کا علم فکشن ہے۔''

صاحبِ علم و عمل سب کو خوش رہنے کی دعا دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے اور چاہتے ہیں کہ ہم شک، خوف اور غم کی اسپیس سے نکل کر خوشی اور یقین کی اسپیس میں داخل ہوں، وہ خوشی اور یقین جو ہمیں جنت میں حاصل تھا۔

یقین کیا ہے —؟ مشاہدہ ہے۔

استادِ محترم فرماتے ہیں،

''یقین، معین مقداروں کے قوانین کا مشاہدہ ہے۔ معین مقدار سے ہٹ کر جو شے دیکھی جاتی ہے، یہ دیکھنا فریب ہے۔''

یقین — روح کا نور ہے۔ یہ ہمیں اس فطرت میں قائم رکھتا ہے جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے

لوگوں کو تخلیق کیا ہے۔

محترم عظیمی صاحبؒ کی تعلیمات باطنی علوم کا بحرِ ذخّار ہیں۔ استادِ محترم نے ہمارے اندر فکر کا بیج بویا کہ اصل انسان گوشت پوست اور رگ پٹھوں سے بنا ہوا نہیں ہے بلکہ گوشت پوست کا جسم، اصل انسان کا لباس ہے۔ گوشت پوست میں نظر آنے والا جسم مفروضہ ہے جس کو فنا ہے جب کہ انسان فی الارضِ خلیفہ ہے۔

اللہ کے دوست نے نوعِ انسان و جنات کو متوجہ کیا کہ ہم اپنے شعوری دماغ میں اتنی سکت پیدا کرلیں کہ وہ لاشعوری دماغ کی کارگزاریوں سے واقف ہوتا رہے۔ مرشد کریم دماغ کو آدھے یونٹ کے طور پر نہیں، پورے یونٹ کے طور پر کام کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح خوشی کی اسپیس حرکت میں آتی ہے اور خوف و غم کی اسپیس مغلوب ہو جاتی ہے۔

کیا ہی اچھا سبق ہے۔

کیسی اچھی تعلیم ہے۔

مرشد کریم کی تعلیمات سے یہ بھی سیکھا کہ فرد "اندر میں" سے جتنا قریب ہوتا ہے، سکون کے لمحات محیط ہو جاتے ہیں۔

خوشی، راحت، فرماں برداری اور یقین کی اسپیس میں داخل ہونے کے لئے انہوں نے بار بار نظامِ کائنات کی حقیقت بیان کی۔ سلسلۂ عظیمیہ کے قواعد و ضوابط کی شق 19 یہ ہے،

"ہر شخص کو چاہئے کہ کاروبارِ حیات میں مذہبی قدروں، اخلاقی اور معاشرتی قوانین کا احترام کرتے ہوئے پوری پوری جد وجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے۔ نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں، آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ بیشک اللہ قادرِ مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے۔ حالات پر اس کی گرفت ہے۔ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے، حالات میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ معاش کے حصول میں معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی قدروں کا پورا پورا احترام کرنا ہر شخص کے اوپر فرض ہے۔"

آدمی ذہنی انتشار اور خود ساختہ پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ عارضی دنیا کو مقصدِ حیات سمجھ لیا ہے اور خالق سے اپنے تعلق پر غفلت کا پردہ

ہے۔ اباجی نے قول و عمل سے بتایا کہ سکون حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ وہ کام کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ مخلوق اپنے نوعی بہن بھائی اور دوسری نوعوں کی خدمت کرے۔

ہمدرد و غم گسار مرشد کریم کی پوری حیات خدمتِ خلق سے وابستہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کا آسان راستہ مخلوقِ خدا کی خدمت اور ایثار ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحبؒ علمِ شریعت و طریقت کے ایک عظیم استاد ہیں۔ آپ خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے روحانی علوم کے وارثین میں ہیں اور اللہ کے دوست ہیں۔ آپ نے اللہ رسولؐ کی محبت میں لاشمار قلوب کو روشن کرکے رازِ ہستی سکھادیے۔

مرشد کا عشق وہ چراغ ہے جو ہمارے اندر اندھیرے دور کردیتا ہے، تاریکی روشنی میں بدل جاتی ہے اور روشنی دلوں کی رہبری ہے۔

اباجی اپنے مرشد ابدالِ حق قلندر باباؒ سے یک جان تھے اور ہیں۔ مرشد اور مرید کے تعلق کی سچائی کیا ہوتی ہے، یہ ابدالِ حق کے ایک قول سے ظاہر ہے۔ ایک موقع پر فرمایا،

”میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ اب جب میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا تو خواجہ صاحب کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

ے مجھی کو دیکھ لیں اب تیرے دیکھنے والے
تو آئینہ ہے مرا، تیرا آئینہ ہوں میں

ایک مرتبہ مرشد کریم نے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا،

”آپ اپنے دلوں کو ٹٹولیں، میں وہاں کہیں نہ کہیں نظر آجاؤں گا۔“

محبت کی معرفت رکھنے والے جانتے ہیں کہ محبوب نہیں بچھڑتا، وہ نئے روپ میں جلوہ فرما ہوجاتا ہے۔ ایک اور آنکھ ہے جو اسے دیکھتی ہے اور اسی کی شفقت و محبت میں قیام چاہتی ہے۔

خیال درھمہ عالم برفت و باز آمد
کہ از حضور تو خوشتر ندید جاي را

خیال سارے عالم میں گھوم کر واپس آیا تو یہ پایا کہ تیری قربت سے بڑھ کر کوئی جگہ نہیں۔

ڈاکٹر نعیم ظفر

دلدلی زمین

خمیر اسپیس مہیا کرتا ہے۔ جیسے مکان بنانے کے لئے مربع فٹ میں جگہ درکار ہوتی ہے، اس طرح ہم اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ خمیر، اول تا آخر ذرّے سے لے کر شے (مخلوق) کی حتمی حالت ظاہر ہونے تک اسپیس بناتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے،

”اور لوہا نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں۔“ (الحدید: ۲۵)

خالقِ کائنات اللہ نے آسمان سے لوہا نازل کیا اور اس میں انسانوں کے لئے بے شمار فوائد اور بے حساب قوت رکھی ہے۔ لوہا دھات ہے جس میں دوسری دھاتیں بھی شامل ہیں۔

غیر جانبدار ذہن کا محقق سوچتا ہے کہ حدید کے 'نازل' ہونے سے کیا مراد ہے؟ لوہا 'نازل' ہونے کا کیا مطلب ہے —؟ سمجھنے کی عام طرز اس بارے میں کیا کہتی ہے اور تفکر کی دوسری طرزیں ”حدید“ کے نزول کی حکمت کو سمجھنے میں کتنی معاون ہیں۔

مادی محققین کا کہنا ہے کہ لوہا زمین کی گہرائی میں فوسل[۱] اور بیکٹیریائی عمل سے تشکیل پاتا ہے۔ نتیجے میں کئی ایک دھاتیں، غیر دھاتیں یا دیگر معدنیات ظاہر ہوتی ہیں۔ آدمی نے لوہے یا حدید سے فائدہ اٹھایا۔ جب حدید میں تفکر کیا تو کئی توانائیوں کا انکشاف ہوا۔ توانائیوں سے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے طریقِ کار وضع کئے۔ زندگی آسان ہوئی اور طرح طرح کی سہولیات میسر آگئیں۔ موجودہ زمانے میں تمام جدید ٹیکنالوجی کہیں نہ کہیں حدید پر غور و فکر کی مرہونِ منت ہے، چاہے اس کا استعمال زیرِ زمین ہو یا خلاؤں میں موجود سیٹلائٹ میں۔

محققین مانتے ہیں کہ نیچر کے مظاہر نظر آتے

۱۔ قدیم دور کے پودوں اور جانوروں کی باقیات جو زمین کے اندر محفوظ رہ جاتی ہیں۔

ہیں مگر ان کے پسِ پردہ زندگی کے فعال قوانین نظر نہیں آتے۔ آدمی نے مادے (matter) پر غور و فکر کیا۔ آج کی طرزوں میں ذرّے کو ایٹم کہتے ہیں۔ مادے کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مثلاً ٹھوس، مائع، گیس، پلازما، روشنی وغیرہ۔ خالقِ کائنات کی تخلیقات یعنی قدرت پر غور کرنے سے ایٹم کا تصور سامنے آیا۔ مظہر کے اجزائے ترکیبی معلوم کرنے سے بند ذہن کھلنے لگے اور اسی مناسبت سے قوانین روشن ہونے لگے۔

پرندوں کی اڑان دیکھ کر آدمی کے اندر اڑنے کی خواہش بیدار ہوئی۔ محققین نے مادے کی حدود میں رہ کر خواہش پر غور و فکر کیا تو مادی ذرّات کے اجزائے ترکیبی میں حرکت سے ہوائی جہاز کی ٹیکنالوجی سالہا سال بعد مظہر بنی۔

غور و فکر بڑھتا رہا اور مظاہر کی مادی نقل ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی۔ وہیل سے سب میرین یا آبدوز، چند سینٹی میٹر لمبے رینگنے والے کیڑوں سے بلٹ ٹرین کے رینگنے کا نظام، چمگادڑ سے ریڈار، رات میں بیدار جانوروں سے رات میں دیکھنے کے آلات، سب نقل ہیں۔

محققین متفق ہیں کہ مادے پر مبنی ٹیکنالوجی فارمولوں پر مشتمل ہے اور تمام فارمولے نیچر کے قوانین کے تابع ہیں۔ اگر مادی ٹیکنالوجی کو حادثہ پیش آتا ہے تو ماہرین ہمیشہ نیچر کے اُس گمشدہ ٹکڑے کو تلاش کرتے ہیں جو ان کی نظر سے اوجھل ہے۔ نیوٹرل محقق و ٹیکنالوجسٹ کا اس نکتے پر یقین ہے کہ قدرت کے قوانین مطلق ہیں اور ان میں استحکام ہے۔ درحقیقت آج تحقیق کا دار و مدار محقق کے اس یقین پر منحصر ہے۔

جیسے دلدلی زمین پر مکان کی تعمیر نہیں کی جاسکتی، اسی طرح غیر مستحکم قوانین سے ٹیکنالوجی کو پروان نہیں چڑھایا جاسکتا ... نہ جدت پیدا ہوسکتی ہے۔ توازن سے توانائی، ایک مظہر سے دوسرے مظہر میں جذب ہوتی ہے۔ ایک مظہر مغلوب ہوتا ہے تو دوسرے کو استحکام ملتا ہے۔ تفکر سے محقق جان چکا ہے کہ نیچر یعنی قدرت کے قوانین جو معین اور متوازن ہیں، ان کے بغیر کسی مظہر کو استحکام نہیں ہے۔ مظہر چاہے قدرتی ہو یا مصنوعی، ہر دو صورت میں تخلیق کا اصول یہی ہے!

یقین مستحکم ذہن کی بنیاد ہے جب کہ شک سے ذہن غیر مستحکم ہوتا ہے۔ غور و فکر کے دوران

ذہن میں جو طرز غالب ہوتی ہے، اردگرد اسی طرح کے پیٹرن نظر آتے ہیں۔ واضح رہے کہ زمین پر ٹیکنالوجی کے جتنے ادوار بتائے جاتے ہیں، یہ مادی بنیادوں پر ہیں۔ مثلاً پتھر کا دور، کانسی کا دور، لوہے کا دور، تانبے کا دور یا حالیہ سلیکان ریت کا دور۔ تخلیقات میں غیر جانبدار تفکر و تصرف محقق کو خالق سے ملا دیتا ہے جب کہ مادے کی حدود میں کیے گئے تفکر میں تحقیق کا حاصل مادی ٹیکنالوجی رہی ہے۔ مادے میں ہر لمحہ تغیر ہے، فنائیت ہے، شک اور اپنی برتری کا احساس ہے۔ تکبر، عدم تحفظ، لالچ، بے حسی، حسد وغیرہ شک زدہ ذہن کی پیداوار ہیں، یہ فساد پھیلاتے ہیں۔ شک فرد سے لے کر اقوام کا ذہن بنتا ہے تو زمین پر فساد کا سبب بنتا ہے۔

غیر مستحکم یعنی شک سے متاثر ذہن کی عمارت پر کھڑی اقوام کے عبرت ناک قصے زمین پر جابجا موجود ہیں۔ مصر و مایا کے اہرام اور پیٹرا کے پہاڑوں میں محلاتی آثار اور زمین پر گم گشتہ تہذیبوں کی حالتِ زار، تفکر کو مادی طرزوں میں محدود رکھنے کی داستان ہیں۔ قادرِ مطلق اللہ نے ایسی طرز فکر کے نتائج سے آگاہ فرمایا ہے،

"یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قومِ عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ تم اس کے ہموار میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔"

(الاعراف: ۷۴)

جیمز ویب کی دوربین ہو یا الیکٹران خردبین، مشاہدے کے لئے جسمانی یا مشینی، کوئی بھی آنکھ استعمال کی جائے، خمیر۲ نگاہ کو مادی کناروں میں قید رکھتا ہے۔ مادے میں تبدیلی کی وجہ اس کے اندر کی خمیری توانائی ہے۔ "خمیر" عناصر سے مرکب ہے جو مخصوص خواص رکھتے ہیں۔ یہ ہمہ وقت تغیر سے گزرتے ہیں، ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات، آدمی اور دوسری دیدہ نادیدہ مخلوقات میں تولید یا نشوونما کا عمل درحقیقت خمیر سے ممکن ہے۔ خمیر کیا کرتا ہے؟

خمیر اسپیس مہیا کرتا ہے۔ جیسے مکان بنانے کے لئے مربع فٹ میں جگہ درکار ہوتی ہے، اس

۲۔ تغیر یا خلا کا میکانزم

طرح ہم اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ خمیر، اول تا آخر ذرّے سے لے کر شے (مخلوق) کی حتمی حالت ظاہر ہونے تک اسپیس بناتا ہے۔

تخلیق چیونٹی کی ہو یا پہاڑ کی، خمیر میں اتنی مقدار میں توانائی ہوتی ہے جو ان مخلوقات کے دنیا میں ظاہر ہونے کے دورانیے کے لئے درکار ہے اور توانائی سے متعلق انفارمیشن (اطلاع)، ماورائی لہر کے ذریعے آتی ہے۔

اس اصول کو دوبارہ سمجھتے ہیں۔

خمیر ایک طرز کا گیسی خلا پیدا کرتا ہے جس میں مخلوق کی پیدائش، نشوونما اور فنا کا جال پھیلتا اور سکڑتا ہے۔ دیدہ نادیدہ ہر تخلیق کے لئے جال میں پھیلنے اور سکڑنے کی حرکات موجود ہیں۔ جال کو ڈھانچا، فریم، گوشت پوست یا مٹی کا ڈھیر وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔ رائج علمِ کیمیا کے مطابق جال کے ذرّات کاربن اور ہائیڈروجن ہو سکتے ہیں اور سلیکان اور ہائیڈروجن بھی۔

زیرِ غور رہے کہ پھیلنا اور سکڑنا خمیر کا وصف ہے جسے حرکت کہتے ہیں۔ حرکت کیا ہے؟

اس پر آئندہ مضمون میں بات ہو گی۔

سبز دلدل

پانٹانال — دنیا کا سب سے بڑا دلدلی خطہ اور سب سے وسیع زیرِ آب سبزہ زار ہے۔

پانی میں ڈوبی یہ دلدلی زمین سبزہ اور نباتات سے بھری ہوئی ہے۔ پانٹانال کا خطہ برازیل، پیراگوئے اور بولیویا تک پھیلا ہوا ہے لیکن اس کا بڑا حصہ برازیل کی ریاست ماتو گروسو میں ہے۔ یہ دلدلی خطہ لگ بھگ 54 ہزار سے 75 ہزار مربع میل کے رقبے پر محیط ہے۔

اب تک کی تحقیق کے مطابق اس میں 12 ذیلی ماحولیاتی نظام ہیں اور سب کی منفرد آبی، ارضیاتی اور ماحولیاتی خصوصیات ہیں۔ بارش کے موسم میں تقریباً 80 فی صد پانٹانال کے میدانی علاقے 16 فٹ تک زیرِ آب آجاتے ہیں جہاں کثرت سے آبی پودے اگتے ہیں اور جنگلی حیات کی خوراک بنتے ہیں۔

دلدلی خطہ ہونے کے باوجود یہ دلدل پودوں کی افزائش کی وجہ سے خطرناک نہیں ہیں۔ یہ علاقہ حیوانات اور پرندوں کی نایاب اقسام کی نرسری ہے اور یونیسکو ورلڈ ہیریٹیج سائٹ کی فہرست میں شامل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰسٓ شریف ، قرآن کریم کا مکمل نسخہ اور ۳۰ سپاروں کا سیٹ

دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ساتھ اندرونی صفحات میں
خوب صورت ڈیزائن کردہ خط (font)
جس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ آیات بآسانی پڑھی جا سکیں۔
زیادہ سے زیادہ لوگوں میں ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیجئے۔

ملنے کا پتہ:
عظیمی محلّہ ، سیکٹر 4-C ، سرجانی ٹاؤن ، کراچی ، پاکستان۔

+92-(0)21-36417843
+92-(0)305-4435207

عظیمی یونیورسٹی پریس®
AZEEMI UNIVERSITY PRESS

زیر سرپرستی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

QALANDAR SHAOOR ACADEMY
HYDERABAD - PAKISTAN

★ قلندر شعور اکیڈمی ★

مراقبہ ہال حیدر آباد

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کر سکتے ہیں۔

★ ★ ★

روحانی علوم کے متلاشی، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے خواتین وحضرات کے لئے خوش خبری

گلشنِ شہباز، نزد ٹول پلازہ، جامشورو حیدر آباد، 71000، پاکستان
فون نمبر: 0331-3615533 ، 0333-2695331

تجمل
Tajammal

IATA
ACCREDITED AGENT
IATA Code: 27342433

تجمل ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

تجمل للسفریات (الخاصہ) المحمدودہ

ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ

ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ

بجٹ پیکج
اکانومی پیکج

5
ہوٹل کی بکنگ

ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز

شبعۃتی ایچ اے ‹THA› لتطورالامور تتعلق باالعمال/الموعطفین الاجانب

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR
(رخصة تسعة:۴۱۸۹/ایل ایچ آر)

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa

thaoep1@gmail.com

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر
ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

رانا تجمل حسین
CEO

+92 300 6654 211
+92 302 1165 300
+92 321 6680 266
+92 41 2641 904

Office No. 54, Gate No. 5, Iqbal Stadium. Faisalabad. PK

Canderel®
with Stevia
Naturally Sweet
Zero Calorie Sweetener
Available in Tablets, Sachets and Jars
SEARLE

ڈاکٹر مکاشفہ نعیم
(اسپین)

رملینہ ـــ صحرا کی شہزادی

رملینہ عربی لفظ رمل سے ماخوذ ہے۔ معنی ریت یا صحرا ہے اور رملینہ ـــ صحرا کی شہزادی ہے۔ وہ ظاہر میں سیاح مگر باطن میں سالک ہے۔ پیرس کی ایک درس گاہ میں آرٹی فیشل انٹیلی جنس کی طالبہ ہے جو تعطیلات میں دنیا کی سیر پر نکلتی ہے مگر اندر میں درویشہ بن چکی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ علم کیا ہے اور کیوں ہے۔ یہ کہانی محض جغرافیائی مقامات کا خاکہ نہیں بلکہ باطنی سیاحت ہے جس کے ہر مقام، ہر لمحے اور ہر مکالمے میں رمز ہے۔ کہانی حقیقی ہے، مقامات پر کہیں کہیں پردہ رکھا گیا ہے۔ یہ روداد بتاتی ہے کہ خود سے گزر کر ایک دروازہ کھلتا ہے جس کی ہر منزل راستے کا شعور اور ایک نئے سفر کا آغاز ہے۔ جب راہی راستہ بن جائے اور راہ سے بڑھ کر راہ نما کی طلب میں ڈھل جائے ـــ وہ رملینہ بن جاتا ہے۔

پیرس کی شام معمول کی طرح خوب صورت تھی مگر آج آسمان پر جو رنگ بکھرے تھے، ان کا عکس رملینہ کی آنکھوں میں جھلک رہا تھا۔ وہ بحرالکاہل کے کنارے سے لوٹی تھی مگر دل اب بھی نین مینڈول کے سنسان مگر سرگوشی کرتے ستونوں کے درمیان بھٹک رہا تھا ـــ جہاں ہوا بولتی ہے، پانی گیان کرتا ہے اور خاموشی میں کوئی صدا چھپی ہوئی ہے۔

جب رملینہ چارلس ڈیگال ایئرپورٹ پر اتری تو پیرس کی بلند و بالا عمارتیں اسے معمول سے زیادہ پرانی لگیں۔ شاید اس لئے کہ وہ ایسے شہر سے لوٹی تھی جو ماضی کی تہوں میں دفن تھا۔ نین مینڈول ـــ جہاں نہ جدیدیت کی آواز تھی نہ رفتار کی گونج، بس صدیوں کی خاموشی ... جو دل میں اتر جاتی ہے۔

وہ ایئرپورٹ سے نکل کر ٹرین میں سوار ہوئی اور پیرس کے مرکزی ریلوے اسٹیشن گیر دو نورڈ (Gare du Nord) پہنچی۔ اسٹیشن مانوس چہروں سے بھرا ہوا تھا۔ پیرس کی یونیورسٹیوں کے طالب علم تعطیلات گزار کر واپس آئے تھے۔ ہر طرف مصروف قدموں کی چاپ تھی۔ رملینہ اس ہجوم میں برقی سیڑھیوں سے اتر رہی

تھی۔ سفر کی تھکن چال سے ظاہر تھی مگر چہرے پر وہی سکون، تمکنت اور وہی پہچان — ذہین، تحقیق میں گم، خوش اخلاق، پُرکشش، سیاحت سے عشق رکھنے والی اور دوستوں کی دوست۔

اچانک پیچھے کسی نے موبائل فون کا کیمرا آن کیا، چھپ کر ایک تصویر لی اور — چند لمحوں بعد یونیورسٹی کا واٹس ایپ گروپ متحرک ہو گیا۔

تصویر کے نیچے لکھا تھا:

رملینہ — صحرا کی شہزادی، ایک بار پھر واپس!

پھر ایک اور میسج آیا:

وہ آگئی ہے مگر لگتا ہے کہ اس کے قدم ابھی تک کسی اور دنیا کی سرزمین پر ہیں!

رملینہ نے موبائل فون کی اسکرین کو دیکھا، تصویر اسی کی تھی، چند لمحے پہلے کی۔ پھر تو جیسے پیغامات کی بارش ہونے لگی،

کہاں سے لوٹ رہی ہو؟ کسی نئی دنیا سے؟

نین مینڈول میں کیا دیکھا؟

کیا تم... وہی رملینہ ہو؟

وہ ابھی اسٹیشن پر تھی لیکن اس کی سہیلیوں کو بخوبی معلوم تھا کہ رملینہ واپس آگئی ہے اور سیدھا جائے گی... اُس خاموش، خواب ناک مقام پر جہاں اس کے والدین کی یادیں سانسیں لے رہی ہیں — جھیل کے کنارے بسا ہوا وہ گھر جو محبت، خواب اور خاموشی سے بنا ہے:

19، لیک ویو ہاؤس، Lac des Minimes، پیرس۔

جہاں ہر کمرا کسی دعا کی گونج رکھتا ہے اور کھڑکیوں سے جھانکتا ہوا منظر رملینہ کے دل میں کسی پرانی یاد کو چھو لیتا ہے۔

جب وہ لیک ویو ہاؤس پہنچی تو جسم و ذہن پر گزرے دنوں کی تکان غالب تھی یا پھر اس کے اندر کسی نامعلوم لَے کا غلبہ تھا جو ساز بن کر رگ و جاں میں تھرک رہی تھی۔

رات کو سونے لیٹی تو نیند اور بیداری کے بیچ عجیب کیفیت میں تھی۔ نین مینڈول کی ہوا کی سرگوشیاں، سمندر کی لہروں کا رقص، چاندنی کا مدھر ساز خواب بن کر پلکوں پر جھولتے رہے۔

رات کی تنہائی میں جب نیند نے مادی شعور کے دروازے آہستہ سے بند کئے تو اس نے خود کو خود سے جدا پایا۔ وہ خواب کی ایک ایسی اسپیس میں داخل ہوئی جو کسی اور جہاں کی روشنی میں لپٹا ہوا مکاشفہ تھا۔

رملینہ نے اپنی ڈائری میں لکھا:

”خواب عجب دنیا ہے، آدمی خود کو ڈھونڈتا ہے مگر گوشت پوست کا آدمی نہیں ملتا، ہیولا ملتا ہے جو اندر میں ٹھوس لیکن مکمل احساس رکھتا ہے۔ خواب کے نقوش پر غور کیا تو خود سے کہا، یہ عام خواب نہ تھا۔ میں ندی بن گئی تھی۔ میں نے خود کو ندی کے روپ میں دیکھا جو دور افتادہ ، بلند و بالا پہاڑ کی گود سے ظاہر ہوئی تھی پھر برف کی تہوں سے پھسلتی ہوئی، وادیوں سے سلام لیتی، بستیوں کو سیراب کرتی، درختوں کو چھوتی، چٹانوں سے بات کرتی، زمین کے سینے پر رواں جیسے ہر رکاوٹ عبور کر کے ریگستان کے کنارے آ پہنچی اور... رک گئی۔

ہر کہانی کی طرح خواب میں ایک موڑ آیا۔

سوچا کہ میں نے چھوٹی دھار سے سفر شروع کیا، پہاڑ کی اونچائی سَر کی، گلیشیر سے سر ٹکرایا اور رنگ رنگ پانی کی دھاروں سے مل کر یک رنگ ہوگئی۔ بڑی بڑی چٹانیں کاٹیں، پتھروں کے ریوڑ ہمراہ چلے، بلند چٹانوں پر آبشار بنی۔ جوں جوں وجود کا احساس بلند ہوا، قسم قسم کی زندگی بستی گئی، دشوار گزار علاقوں سے گزر کر عرصے بعد میدانی علاقے میں پہنچ گئی۔

پھر منظر بدل گیا۔

سامنے وسیع، بے آب و گیاہ صحرا تھا۔ ریت کی سنہری لہریں خاموش مگر نگاہ میں سوال تھے۔ میں آگے بڑھی۔ جیسے ہی صحرا کو چھوا، میرا وجود مٹنے لگا۔ پانی ریت میں جذب ہونے لگا۔ میں گھبرا گئی۔

خود سے کہا، تیرا نام ’رملینہ‘ ہے۔ تو صحرا پر راج کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔

مگر اس دنیا میں ندی سے جو بوند آگے بڑھتی، وہ صحرا کو چھوتے ہی گم ہو جاتی۔

الفاظ اور دلیل سے بحث کی جا سکتی ہے مگر نتیجے کے لئے عمل ناگزیر ہے۔ خود کو یقین دلایا— میرا مقدر صحرا کے پار جانا ہے مگر ان حالات میں راستہ نظر نہیں آیا۔

جب میں ہر وادی سے گزر گئی پھر یہاں کیوں فنا ہو رہی ہوں؟ کیا میری چاہ اور قدرت کی مشیّت میں فرق ہے؟

کسی نے سرگوشی کی — تمہارا زاویہ الگ ہے لیکن پریشان مت ہو، مشیّت کسی کو اکیلا نہیں چھوڑتی۔ جو اُس کے بھروسے پر قدم اٹھاتا ہے ، اس کے لئے راستہ روشن ہو جاتا ہے۔ تمہیں زاویہ بدلنا ہے۔

بے تابی سے کہا: میرا بھروسا تو ہمیشہ سے میرا وجود رہا ہے لیکن یہاں لڑکھڑا گیا ہے۔ کیوں؟

آواز آئی، جب ہوا صحرا کی گہرائی سے ویرانے کو پار کرلیتی ہے تو تُو بھی کرسکتی ہے۔

میں نے چونک کر کہا: مگر میں زمین پر بہتی ہوں اور ریت مجھے نگل رہی ہے۔ ہوا اُڑسکتی ہے اس لئے گزر جاتی ہے۔

آواز نے کہا: تو اپنی عادت کی وجہ سے بہہ کر اُس پار نہیں جاتی۔ تُو ختم ہو جائے گی یا دلدل بن جائے گی۔ تجھے خود کو ہوا کے سپرد کرنا ہے تبھی منزل پر پہنچے گی۔

میں نے فکر مندی سے کہا: دلدل؟ یہ قصے تو راستے میں بہت سے بزرگ پہاڑوں سے سنے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

آواز گونجی: سن! جب مسافر خود کو سفر کے سپرد نہیں کرتا تو راستہ دلدل بن جاتا ہے۔

میری پریشانی بڑھ گئی۔ سوچا، زندگی کبھی نہیں رُکتی۔ حالات کا پہیّہ چلتا رہتا ہے... اگر مسافر کا رویہ نہ بدلے تو دلدل گہری ہوتی اور پھیلتی ہے۔ اندر میں سرد لہر دوڑ گئی۔ ایسا لگا کہ بہاؤ کا مقصد صحرا کے کنارے دلدل میں دھنسنا شروع ہوگیا ہے۔

میں نے کہا: میں راستوں کی ہمراز رہی ہوں۔ راہیں میرے لئے سایہ بن کر چلتی رہیں مگر اب ایسا مقام آیا ہے جہاں وجود ٹھہر گیا ہے اور نادیدہ بھنور میں گھوم رہا ہے۔ کیا میں ٹھہراؤ کو دلدل بننے سے روک سکتی ہوں یا — یہ سکوت میری فنا کا در کھولے گا؟

آواز نرمی سے بولی: فنا کی راہ، بقا کی کنجی ہے۔ یہی ہوا کا کمال ہے۔ وہ پانی کو دامن میں لیتی ہے، صحرا کے پار لے جاتی ہے اور بارش بنا دیتی ہے۔ بارش بن کر تُو دوبارہ ندی بن جاتی ہے۔

میں ڈر گئی... اگر میں خود کو مٹا دوں... تو کیا میں باقی رہوں گی؟

جواب ملا: یہی سچ ہے۔ یقین نہیں ہے تو تجھے دلدل بننے میں بھی سالہا سال لگ سکتے ہیں مگر یاد رکھ! وہ حالت ہرگز ندی نہیں کہلاسکتی۔

ندی یعنی میں نے تذبذب سے کہا: کیا میں وہ ندی بھی نہیں رہ سکتی جو آج ہوں؟

آواز نے جواب دیا: نہیں! چاہے آگے بڑھے یا رکی رہے، تو ہمیشہ ایسی نہیں رہ سکتی۔ تیرے اندر ایک جوہر ہے، جو لے جایا جائے گا، وہی دوبارہ ندی بن جائے گا۔ تجھے خود معلوم نہیں کہ تیرے وجود کا جوہر کیا ہے اسی لئے تُو اب تک اپنی حقیقت کو نہیں پہچان سکی۔

پھر صحرا کی ریت نے سرگوشی کی: غور سے سن! جو باقی رہے، وہی اصل ہے —اس کے علاوہ سب عارضی ہے۔

کہیں بہت پرانی کوئی یاد جاگ اٹھی۔
جیسے میری روح پہلے بھی ہوا میں تحلیل ہو چکی ہو۔شاید میں پہلے بھی فنا ہو چکی تھی۔ شاید یہی راستہ میرا اصل راستہ ہے۔

میں نے آنکھیں بند کیں اور خود کو چھوڑ دیا۔
ہوا میں تحلیل ہوئی اور بخارات بن کر اٹھی۔
ہوا مجھے تھام کر شفقت سے لے گئی اور کسی بلند مقام پر بارش بنا کر واپس زمین پر اتارا۔
میں پھر ندی بنی — مگر اب میں وہ پرانی ندی نہ تھی۔ جان گئی تھی کہ مجھے اصل پہچان مل گئی ہے۔اب میں فقط بہنے والی ندی نہ تھی بلکہ فنا کی جانکار تھی — بقا کی رازداں تھی۔

میں نے کہا: میں پہلے بھی ندی تھی لیکن اب خود کو پہچان گئی ہوں۔
ندی (میں) سیکھ رہی تھی۔

ریت نے پھر سرگوشی کی:

اے رمل کی شہزادی ! ہم جانتے ہیں کیوں کہ ہم ہر دن ایسا ہوتا دیکھتے ہیں۔ہم جانتے ہیں کیوں کہ ہم یعنی ریت، دریا کنارے سے لے کر بلند پہاڑوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ریت نے آخری سرگوشی کی:
یہی ہر روح کا راز ہے اور ہم روز اسے دیکھتے ہیں۔ندی بہتی ہے، مٹتی ہے پھر بارش بن جاتی ہے — زندگی اسی تسلسل کا نام ہے۔"

بیدار ہوئی تو میری آنکھیں نم تھیں۔ میں دیر تک جھیل کے کنارے بیٹھی سوچتی رہی کہ ہم سب کے اندر کوئی ندی بہہ رہی ہے — جو اپنی اصل تک پہنچنے کے لئے ایک مرتبہ صحرا سے ضرور گزرتی ہے۔"

ڈائری لکھ کر میز پر رکھ دی۔

اگلی صبح فضا میں نئی لَے بکھری ہوئی تھی جیسے کائنات نے خاموشی سے کوئی باب کھول دیا ہو۔
موسمِ بہار کی چھٹیوں کے بعد آج یونیورسٹی کا پہلا دن تھا۔ ہر طرف مسکراہٹیں تھیں۔ گلے ملنے کی خوشی اور "ہیلو، واؤ، تم کہاں تھے؟" جیسے جملے ہوا میں گھلے ہوئے تھے۔
رملینہ یونیورسٹی پہنچی — دھیمے قدم، من میں سکوت اور نگاہوں میں وہی باطنی چمک۔
ہال اپنی جگہ تھا اور راہداریاں شناسا تھیں۔ کیفے میں چائے کی مانوس خوش بو اور وہی ہنسی مگر رملینہ کے اندر کچھ بدل گیا تھا۔ ہر منظر وہی تھا — لیکن دیکھنے والی آنکھ وہ نہ رہی تھی۔

دوستوں کی آنکھوں میں سوال تھا۔

کیا یہ وہی رملینہ ہے؟

اس کی سہیلیاں — ایشلین، کلارا، زارا—

سب نے گلے لگایا مگر کسی نے کچھ نہ کہا۔

کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

رملینہ کی آنکھوں میں کسی اور دنیا کی چمک تھی۔ ایسی چمک جس کے رنگ الفاظ کی بجائے خاموش دھڑکنوں میں سمجھے جاتے ہیں۔ یہ مادی علم کی روشنی تھی نہ دنیاوی کامیابی کی دمک بلکہ لطیف، نادیدہ روشنی تھی جو اندر کو منور کر کے قریب موجود ہر شے کو چھو لیتی ہے۔

یہ وہ روشنی تھی جو صدیوں کے مراقبے سے جنم لیتی ہے—جو خوابوں کے پردوں سے نکل کر حقیقت کے آئینے میں جھلک دکھاتی ہے۔

اس کی آنکھوں میں سچے موتی ہوا کو اخلاص سے بھر رہے تھے، فضا کو سرور سے آشنا کر رہے تھے۔ یہ روشنی کی زبان تھی جسے وہی سمجھتے ہیں جو ظاہر میں مٹی کے لباس میں رہتے ہیں لیکن باطن میں، روشنی کے مسافر ہوتے ہیں۔

رملینہ تینوں سہیلیوں کے ہمراہ قریبی کیفے کی جانب بڑھ گئی۔ (قسط: ۱)

مل جائیں گے کبھی نہ کبھی کارواں سے ہم

بچھڑے ہیں کب سے قافلۂ رفتگاں سے ہم
مل جائیں گے کبھی نہ کبھی کارواں سے ہم
رہ رہ کے پوچھتے ہیں یہی باغباں سے ہم
لے جائیں چار تنکے کہاں آشیاں سے ہم
اللہ رے، عروجِ تخیل کے حوصلے
چل کر مکاں سے بڑھ گئے کچھ لامکاں سے ہم
بادِ خزاں نے رنگِ چمن کیا اڑا دیا
آخر کو نکلے خاک بسر بوستاں سے ہم
وہ مے پلائی ساقی نے ہیں جس سے ہوش گم
جاگیں نہ جاگیں دیکھیے خوابِ گراں سے ہم
وہ سرزمیں کہاں کہ نہ ہو گردشِ فلک
ممکن نہیں کہ بچ کے رہیں آسماں سے ہم
آخر جنوں میں مل گئیں دامن کی دھجیاں
لے آئے ان کو وادیِ وحشت نشاں سے ہم
کم مائیگی میں ناز ہے عجز و نیاز پر
اب کیا اٹھائیں سر کو ترے آستاں سے ہم
کیسی چمک کہاں کی کھٹک، اف رے بے حسی
ہیں مست ذوقِ لذتِ دردِ نہاں سے ہم
مجبور دل تھا حکمِ قضا و قدر سے شوقؔ
اب کیا بتائیں، آئے یہاں پھر کہاں سے ہم

(کلام: پنڈت جگموہن ناتھ رینا شوقؔ)

روشنی کا غلاف

کوئی شے ظاہر ہوتی ہے تو اس میں اسکرین کی صفات یا عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مٹی کے عناصر سے مرکب اس دنیا کی زمین پر ہر شے مٹی کے لباس میں نظر آتی ہے۔

دوستوں کے ساتھ فلم دیکھنے کا پروگرام بنا۔ ٹکٹیں خریدیں اور سینما ہال میں داخل ہوئے۔ ٹکٹ پر نمبر کے مطابق سیٹ تلاش کی اور براجمان ہو گئے۔ کچھ دیر میں اندھیرا ہوا، عقب میں چھوٹی کھڑکی میں سے روشنی کی لہروں کا بہاؤ شروع ہوا۔ کھڑکی کی جانب دیکھا تو پروجیکٹر کا ہلکا عکس نظر آیا جو روشن لہروں اور اسکرین کے درمیان ربط ظاہر کر رہا تھا۔ اسکرین پر تصویریں نظر آنے لگیں۔ تصویریں کیا تھیں؟ ایک کہانی جو حرکت میں تھی۔ پروجیکٹر سے تصویروں کو اس انداز اور تسلسل سے حرکت دی جا رہی تھی کہ دیکھنے والوں کے ذہن میں وہ تاثر قائم ہوا جو فلم بنانے والے کو مقصود تھا۔

ہم فلم دیکھنے میں مگن ہو گئے۔

کچھ دیر گزری تھی کہ خیال آیا، پروجیکٹر سے آنے والی لہریں اسکرین سے آر پار کیوں نہیں ہو رہیں؟ اسکرین کیا ہے؟ تصویریں کیوں نظر آ رہی ہیں؟ اسکرین نہ ہوتی پھر.....؟

سوال در سوال سلسلہ بن گیا۔

ہم جانتے ہیں کہ پروجیکٹر سے آنے والی ہر لہر نیگیٹو کے فیتے پر موجود کسی منظر، کردار، خط و خال یا شے کا عکس ہے۔ لہر کو سفر کے دوران جس مقام پر رکاوٹ ملتی ہے، لہر اور رکاوٹ کے درمیان تعامل[1] ہوتا ہے اور لہر میں موجود تصویر ظاہر ہو جاتی ہے۔ جس مقام پر تصویر ظاہر ہوتی ہے، ہم اسے ’اسکرین‘ کہتے ہیں۔ اگر لہروں کو رکاوٹ نہ ملے یا سفید پردے یا دیوار کی جگہ

ا۔ اثر ڈالنا، باہم تعلق۔

شفاف ٹرانسپیرنٹ شیشے کی دیوار ہو پھر.....؟ لہریں شیشے میں سے گزر جائیں گی اور تصویر نظر نہیں آئے گی۔ تصویر یا فلم کے مظاہرے کے لئے ضروری ہے کہ لہروں کو دورانِ سفر رکاوٹ ملے جسے ہم سادہ الفاظ میں اسکرین کہتے ہیں۔ یہ طریقِ کار شے کے مظاہرے کا سبب اور دیکھنے کے عمل کی بنیاد ہے لیکن اس مرحلے پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دیکھنے کا عمل مکمل ہوگیا۔

لہریں اسکرین سے ٹکرانے کے بعد بکھرتی اور پلٹتی ہیں جیسے گلاس میں پانی بھر کر دیوار پر پھینکا جائے تو رکاوٹ سے پانی کی دھار دیوار پر بکھر جاتی ہے۔ بکھرنے والی لہروں کے لئے روشنی واسطہ یا carrier بن جاتی ہے۔

لہریں روشنی کی شکل میں آنکھ سے گزر کر دماغ کی اسکرین پر عکس بناتی ہیں۔ ذہن عکس میں معنی پہناتا ہے جس کو ہم دیکھنا کہتے ہیں۔ سنیما کی اسکرین اور آنکھوں کے درمیان کاغذ رکھ لیا جائے تو اسکرین پر فلم ظاہر ہو کر بھی نظر نہیں آتی کیوں کہ تصویروں کا مظاہرہ سنیما کی اسکرین پر ہوا ہے، ذہن کی اسکرین پر نہیں ہوا۔

دیکھنے کا یہ رخ روز کا تجربہ ہے۔

آپ نے شاپنگ مالوں میں دکان کے گرد شیشے کی دیوار دیکھی ہے۔ دیوار کے باوجود نگاہ اندر رکھی ہوئی چیزیں اور پُتلے[۲] کو دیکھتی ہے۔

قارئین ! نگاہ وہاں رکتی ہے جہاں نظر کے لئے رکاوٹ ہو۔ وہ کوئی بھی شے ہوسکتی ہے۔ جس مقام پر نگاہ رکتی ہے، وہ مقام ہمارے لئے اسکرین بن جاتا ہے۔ اسی طرح اکثر دکانوں کے شیش در[۳] پر سرخ دائرہ بنایا جاتا ہے تاکہ فرد خبر دار رہے کہ آگے دروازہ ہے۔

ہم گلی کے کونے پر کھڑے ہیں۔ دوسرے کونے کی طرف دیکھتے ہیں تو کوئی کھڑا نظر آتا ہے حالاں کہ درمیان میں کافی فاصلہ ہے۔ یہ روزانہ کا تجربہ ہے، نوعیت مختلف ہوسکتی ہے۔ سوال ہے کہ ہم نے کس طرح دیکھا؟ جب کہ درمیان میں ہوا، بیکٹیریا اور دیگر مخلوقات ہیں، روشنی ہے لیکن یہ سب مادی نظر کے لئے رکاوٹ نہیں بنے، انہوں نے اسکرین کا کام نہیں کیا!

پیغمبر حضرت سلیمانؑ کے دربار میں سبا کی ملکہ بلقیس پہلی بار حاضر ہوئی تو محل کے فرش کو دیکھ کر پائنچے اوپر کر لئے کیوں کہ اس کی نظر

۲۔ Mannequins ۳۔ شیشے کا دروازہ

شفاف فرشی شیشوں سے گزر کر نیچے بہتے ہوئے پانی پر رک گئی۔ ادراک نہیں ہوا کہ درمیان میں شیشہ ہے یعنی — شیشے نے اسکرین کا کام نہیں کیا۔ لکھ کر بھیجئے کہ کیوں نہیں کیا—؟

اسکرین دو ہیں۔ ایک زمین، اور دوسری ہر مخلوق کے اندر جسے دماغ کی اسکرین کہتے ہیں۔ یہ وہ اسکرین ہے جو زمین کے لئے بھی زمین ہے۔ قانون ہے کہ جب کوئی شے ظاہر ہوتی ہے تو اس میں اسکرین کی صفات یا عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مٹی کے عناصر سے مرکب اس دنیا کی زمین پر ہر شے، پہاڑ، درخت، دریا، پرندے، مٹی کے لباس میں نظر آتے ہیں— یعنی شے اسکرین کے اندر موجود رنگ میں نظر آتی ہے۔

جب کوئی شے آنکھوں کے راستے دماغ کی اسکرین پر تصویر بناتی ہے، دماغی اسکرین کی صفات اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ پیدائش سے لے کر اب تک دماغ کا جو پیٹرن بنا ہے، اُس پیٹرن کے مطابق دماغ تصویر کو قبول کرتا ہے اور دماغ میں کام کرنے والی طرزیں جس کو ذہن کہتے ہیں، تصویر میں معنی پہناتی ہیں۔

ذہن پر مادیت کا غلبہ ہے تو تصویر میں مٹی کے نقوش نظر آتے ہیں اور اگر ذہن غیر جانبداری سے مادے کی کنہ کی تلاش میں ہے تو اسکرین پر مٹی کے عناصر مغلوب ہوتے ہیں اور ان عناصر کی اصل جو مٹی یا اسکرین کے اندر موجود مگر مخفی ہے، غالب ہوتی ہے اور مشاہدہ ہوتا ہے کہ تصویر روشنی کے غلاف میں بند ہے۔

ایک مثال خواب ہے جس میں مٹی کی آنکھ بند ہوتی ہے لیکن آدمی دیکھتا اور معنی پہناتا ہے۔ نیند میں مٹی کی اسکرین کا دخل مغلوب ہو جاتا ہے بشرطیکہ خواب دیکھنے والے کا ذہن مجلّا ہو ورنہ لوگ نیند کی دنیا میں داخل ہو کر بھی خود سمیت کسی چیز کو روشنی میں نہیں دیکھتے۔ وہ غیر ارادی طور پر وہاں کی رفتار کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن انہیں ہر منظر اور شے جس لباس میں نظر آتی ہے—وہ سوالیہ نشان ہے۔

شے کے مظاہرے میں اسکرین کا عمل دخل ہے اور دیکھنے کے لئے ذہن بنیادی اسکرین ہے اس لئے ذہن جن خواص سے متاثر ہوتا ہے، اسی مناسبت سے نقوش ظاہر ہوتے ہیں۔ مٹی میں تغیر ہے —مٹی سے بنی شے ایک حالت میں نہیں رہتی لہٰذا شے میں تغیر دیکھنا فریب ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

خانے ہیں دماغ کے، وہ خالی ہیں سب
چیزیں جو نظر آتی ہیں، جعلی ہیں سب
ہر لمحہ بدلتا ہے جہاں کا منظر
نظارے بھی آنکھوں کے خیالی ہیں سب

جو شخص بیداری میں بیدار نہ ہو، اس کی نیند کی زندگی بھی غفلت میں گزرتی ہے۔ خواب کی درست تعبیر وہ شخص بتا سکتا ہے جو اسکرین اور شے کی اصل سے واقف ہو۔

دیکھنے میں شے کی پہچان اہم مرحلہ ہے ورنہ دیکھنا — دیکھنا نہیں ہے۔ کائنات کی ہر شے اطلاع ہے جو پہلے واہمہ میں داخل ہوتی ہے پھر خیال کے درجے میں آتی ہے، خیال تصور میں منتقل ہوتا ہے، تصور احساس بنتا ہے اور احساس کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ تفصیل میں جائے بغیر کہ ہم شے کو نوعی اعتبار سے پہچانتے ہیں یا شے سے ملتے جلتے ریفرنس سے — پہچاننے کی اصل وجہ اس شے کے ریکارڈ کا اندر میں موجود ہونا ہے۔ پہچان کے چند زاویے تفکر کے لئے حاضر ہیں۔

۱۔ دوست نے آپ کو اپنے ایک دوست زید سے ملوایا۔ سلام دعا حافظے میں ریکارڈ ہوگئی۔ پانچ سال بعد کہیں ملاقات ہوئی۔ جس لمحے زید کو دیکھا، پانچ سال پہلے کا لمحہ یادداشت کے خانے میں ابھر آیا۔ دو لمحات کے مابین پانچ سال کی اسپیس سمٹ گئی اور آپ نے دیکھتے ہی زید کو پہچان لیا۔

اسپیس کے سمٹنے کا یہ عمل باطن میں جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے ہم ماں باپ، رشتہ داروں، چاند، سورج، ستاروں، درخت، پہاڑ، جنات اور آدمی وغیرہ کو پہچانتے ہیں۔ دوسری طرف جس شے کو ہم نہیں پہچانتے، وہ شے اور منظر ریکارڈ میں اتنی گہری سطح پر ہے کہ حافظہ شعوری طور پر وہاں پہنچنے سے قاصر ہے۔

۲۔ بچہ والدین اور ماحول سے اشیا کا تعارف حاصل کرتا ہے۔ وہ ماں کو خوش بو سے اس لئے پہچانتا ہے کہ ماں کے بطن میں نو ماہ گزارے ہیں۔ ماں کی قربت بچے کی فکر میں ریکارڈ ہوگئی۔

۳۔ بچے کو ماں باپ پانی سے متعارف کراتے ہیں۔ یہ تعارف لفظوں کے ساتھ اس کی فکر میں ریکارڈ ہوجاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ماں باپ کے اندر پانی کا جتنا علم ہے، وہ اسے بچے کی فکر میں منتقل کردیتے ہیں۔ اب وہ پانی کو اس ریکارڈ (فکر) کی معرفت دیکھتا ہے جو ماں باپ

سے ملا۔ اگر ماں باپ کی فکر میں گہرائی نہیں ہے تو بچہ پانی کی اصل سے ناواقف رہتا ہے البتہ علم ضرور رکھتا ہے کہ یہ پانی ہے۔

یہی صورت دیگر اشیا سے تعارف کی ہے۔

چاند، سورج، ستارے، خلا، ہوا، بادل، پہاڑ، پھول، پھل یہاں تک کہ ہر شے کو ہم والدین، ماحول اور معاشرے کی معرفت دیکھتے ہیں۔ ان کی فکر ہمارا علم، مشاہدہ اور تجربہ ہے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے ارشادات اس ضمن میں انتہا درجے تفکر طلب اور مضمون کا حاصل ہیں۔ انہوں نے مہاراجا رگھوراؤ کے سوال کے جواب میں فرمایا،

"جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں۔ جو کچھ میں نے کہا، اسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مفلوج ہے۔ انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں ۔ یہ چیزیں دور پرے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں، ان پر بھی نظر ڈالتے جاؤ۔ دن طلوع ہوتا ہے۔ دن

> ظاہری بینائی سے محروم شخص رات کو لالٹین لئے نکلا۔ اندھے کے ہاتھ میں لالٹین دیکھ کر لوگوں نے وجہ پوچھی۔
> اس نے کہا، تاکہ لوگ مجھ سے نہ ٹکرائیں۔
> قارئین! جو سمجھ میں آیا، لکھ کر بھیجئے۔

کا طلوع ہونا کیا شے ہے، ہمیں نہیں معلوم۔ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے، ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں اتنی بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے۔ اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوعِ انسانی کا یہی تجربہ ہے۔ میاں رگھوراؤ، ذرا سوچو کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں پھر بھی وہ مظاہر ہیں جن سے ایک فردِ واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے اس لئے قابلِ یقین ہے لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر بھی کام کرتی ہے۔ اگر نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ نگاہ اور فکر کا عمل ظاہر ہے۔ دراصل سارے کا سارا عمل تفکر ہے۔"

(کتاب: تذکرہ تاج الدین باباؒ)

عظیمی

روغن گلوسبز

پُرسکون نیند لاتا ہے

سر کے جملہ امراض اور

ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے

چاند کی کرنیں جذب کر کے تیار کیا جاتا ہے

125ml

Rs. 500

پاکستان بھر میں ہوم ڈلیوری کی سہولت

0332 308 5058

طاہر ذیشان

آفتاب و مہتاب

”دل، معرفت کی زمین ہے۔ جو اس زمین میں عشق کا بیج بونا چاہتا ہے اور بیج اگنے کے درد کو درد نہیں، راحت سمجھنا چاہتا ہے تاکہ درد — درماں بن جائے، وہ میرے پیچھے آئے، میرے ساتھ چلے۔ دل، تجدیدِ عہد اور وفا کا منتظر ہے۔“

عہدِ گم گشتہ[1] کی بات ہے، ایک مٹیالی وادی کی دہلیز پر چھوٹا قریہ[2] آباد تھا — نام تھا، دل نگر — جس کی زمین کبھی سبزہ زاروں سے آراستہ تھی، وہاں گُل کِھلا کرتے، فضا خوش بوؤں سے معطر رہتی اور جوان و بزرگ، سب کی زبان پر خیر کا کلمہ تھا۔ یہاں کی فضا شمیمِ الفت[3] سے مسحور، ہوا ذکرِ خیر سے مسرور اور قلب رب کی عنایت سے مشکور تھے۔ دل نگر کی مٹی سے ہر سمت گلِ معرفت نمو پاتا تھا۔

مگر رفتہ رفتہ لوگ خیر سے غافل اور حرص کے اسیر ہو کر دنیا کی فریب کاریوں میں محو ہوئے تو زمین نے زرخیزی ظاہر کرنا چھوڑ دی اور خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔

جب کسی نے اُسے سیراب نہ کیا — اور نہ اخلاص کا بیج بویا تو سبزہ خشک ہو گیا اور اُس کی جگہ حرص کے بیج، نفرت کے کانٹے اور جہالت کی جھاڑیاں اگنے لگیں۔ قلب خوشی سے محروم اور چہرے ناخوشی کی تصویر بن گئے۔

دل نگر کی مٹی پر اب خار ہی خار نظر آتے تھے۔ دن میں گرد و غبار اڑتا جب کہ رات کے سناٹے میں ہوائیں سسکتی تھیں۔ اس اجڑے دیار میں راہ گیروں کے پیر زخمی ہو جاتے، اور جو کوئی ان کانٹوں کو ہاتھ لگاتا، درد کی چبھن میں گرفتار ہو جاتا۔ یہاں سے گزرنے والے کہتے تھے:

یہ زمین ناقابلِ زیست[4] ہے۔
اس کی مٹی اپنا تخلیقی وصف بھول گئی ہے۔

۱۔ گزرا ہوا، کھویا ہوا ۲۔ گاؤں ۳۔ محبت کی خوش بو ۴۔ جہاں جینا ممکن نہ ہو۔

یہاں فضا برکت سے محروم ہے۔
اس قریہ کے مقدر میں اب خار ہیں۔
لیکن — ناقدری اور ناشکری کی پھیلی ہوئی تاریکی کو بالآخر سمٹنا تھا، دل کی نگری کو ایک مرتبہ پھر روشن و آباد ہونا تھا۔

دل نگر میں ایک عظیم انسان، ایک صوفی نے قدم رکھا۔ وہ اس کے کنارے پر گوشہ نشین ہوئے — سب انہیں محبت اور احترام سے ”باباصاحب“ کہتے تھے۔ ان کے چہرے پر نور تھا جیسے رات کے قلب میں مہتاب اتر آیا ہو، نظر میں ”وقت“ کی تاثیر تھی جو فصل[5] کو وصل[6] سے آشنا کر دیتی تھی۔

وہ لوگوں کو سمجھاتے تھے،
”مٹی بری نہیں ہوتی، ہم نے اس پر
سبزہ اگانا چھوڑ دیا ہے۔“

ایک روز انہوں نے جھونپڑی کے دروازے پر تختی لگائی اور اس پر لکھا:

”دل معرفت کی زمین ہے۔ جو اس زمین میں عشق کا بیج بونا چاہتا ہے اور بیج اگنے کے درد کو درد نہیں، راحت سمجھنا چاہتا ہے تاکہ درد — درماں[7] بن جائے، وہ میرے پیچھے آئے، میرے ساتھ چلے۔
دل، تجدیدِ عہد اور وفا کا منتظر ہے۔“

جو لوگ تختی پڑھ کر حاضر ہوئے، وہ سالکانِ راہ تھے۔ کانٹوں کی چبھن سے نہ گھبراتے تھے بلکہ چبھن کو عشق کا آغاز سمجھتے تھے۔

ان میں ایک ”سورج“ تھا .....
جسے قدرت، نعمتِ عظیم کی تلاش میں اس قریہ تک لے کر آئی تھی۔ اس (سورج) کا،
چہرہ نرمی سے معمور،
ارادہ عزم سے بھرپور
دل، وصل کی تمنا سے مغمور[8] تھا۔
باباصاحب نے فرمایا:
”اے سورج! غور سے سن اور یاد رکھ! یہ راستہ آسان نہیں ہے۔ یہاں فرش کانٹوں سے بنا ہے۔ جو اس پر قدم رکھتا ہے، اس کے پیر چھلنی ہو جاتے ہیں۔ جب تو راستہ صاف کرنے کے لئے کانٹوں کو چُنے گا تو ہاتھ لہو رنگ ہوں گے۔ اگر صبر سے زمین کو پانی دے گا تو ایک روز کانٹے نرم ہو جائیں گے۔ کانٹوں کی سختی کو نہ دیکھ، یقین کر، جب یہ نرم ہوتے ہیں تو مخملیں قالین بن جاتے ہیں۔ سبزہ اگے

۵۔ فاصلہ ۶۔ قربت ۷۔ علاج، چارہ گری ۸۔ ڈوبا ہوا، مستغرق

گا کیوں کہ دل نگر کو چمنستان بن کر معرفت کی مہک سے آباد ہونا ہے۔"

سورج نے خود کو باباصاحب کے سپرد کر کے ان کے حکم کو مسکن بنالیا — حکم کے دائرے میں شب و روز بسر ہوتے تھے۔

باباصاحب، سورج کو رباعی سناتے تھے،

راہ گیروں کے پیروں میں لگیں گے کانٹے
جو ہاتھ انہیں چھیڑے گا چبھیں گے کانٹے
مٹی مری برباد نہ ہوجائے گی عظیمؔ
سبزہ نہ اگا، اگر اگیں گے کانٹے

سورج دیوانہ وار خدمت میں مشغول ہو گیا۔ اپنی نفی کرلی — وہ وصل کی تڑپ میں اشکوں سے دل نگر کی مٹی کو پانی دیتا اور خاموشی سے زمین پر بکھرے ہوئے کانٹے چنتا۔

بہت وقت گزر گیا۔

ایک صبح فرش پر پیر رکھا تو دیکھا کہ کانٹے مغلوب ہوگئے ہیں — فیض و کرم کا اثر ظاہر ہو گیا تھا۔ وہاں ننھا سبزہ مٹی میں راستہ بنا کر کانٹوں کے درمیان مسکرا رہا تھا۔ سبزے کی نشو و نما ہوئی، اس پر کلی کِھلی۔ پھر دوسری کلی۔ ساری کلیاں کِھل کر پھول بنیں جن کی خوش بو سے دل نگر مہک اٹھا۔

وہ مہک اور سبزہ زندگی کی علامت تھا۔

یہ دل کی زرخیز زمین میں چھپے معرفت کے بیل بوٹوں، پودوں اور پھولوں کے ہونے کا یقین اور پھولوں میں خوش بو کی گواہی تھا۔

یہ استعارہ تھا کہ دل، یقین کی سرزمین ہے۔ سالک تعمیلِ حکم کو مقصد بناتا ہے تو زخم بھرتے ہیں اور کانٹے نرم ہو جاتے ہیں۔

پھر سبزہ اگتا ہے۔

باباصاحب فرش کو دیکھ کر مسکرائے۔

انہوں نے دل نگر کے باسیوں سے فرمایا:

"مٹی وہی ہے، ہاتھ بدل گئے ہیں۔"

سورج نے اپنے مہربان کے حضور انکسار سے عرض کیا، یہ آپ کی توجہ سے ہوا ہے۔

انہوں نے فرمایا،

"یاد رکھ! دل، زمین ہے جہاں محبت کا بیج ازل سے موجود ہے۔ ضرورت ہے — روشنی بننے، سیراب ہونے اور خار چننے کی۔ واقفِ راہ کی نگاہِ کرم اور فیض کی بارش ہوتی ہے،

لیکن! مرید کے اندر جستجو نہ ہو

تو مٹی — بنجر رہتی ہے۔

جب تربیت ہوتی ہے تو وہی زمین باغِ محبت،
وادیِ معرفت اور گلزارِ حق بن جاتی ہے۔

اس لئے کانٹوں کو نرم کرنا ہو تو
طلوعِ سحر سے پہلے خاک کو ہاتھ سے چھو۔
سونے سے پہلے دل کی مٹی میں خاموشی بو۔
جو کانٹے نظر آئیں، انہیں زبان سے نہیں،
اخلاص سے چن۔
زخم کو شکایت نہیں، شکر بنالے۔"

بابا صاحب، سورج کو باغ کی نگہبانی دے کر بے حد مسرور ہیں۔ بابا صاحب کا سورج دن رات کی شعوری قید سے آزاد ہے۔ وہ (سورج) جہاں دل کی دنیا میں معرفت کی حرارت پیدا کرتا ہے وہاں مہتاب (چاند) کو روشنی بھی دیتا ہے،

رات دن کی تفریق کے بغیر،
دل کے آسمان کو حسین بنانے کے لئے۔

حاصلِ حکایت: یہ ہر انسان کے دل، ہر قوم کی روح اور ہر زمانے کے باطن کی کہانی ہے۔ اگر ہم سبزہ نہیں اگائیں گے تو کانٹے اگیں گے کیوں کہ زمین خالی نہیں رہتی۔

صبحِ صادق

دسویں اور گیارہویں صدی (1049ء-967ء) میں فارس کے معروف صوفی شاعر شیخ ابوسعید ابوالخیر ایک رباعی میں فرماتے ہیں،

گر قرب خدا سی طلبی دلجو باش
وندر پس و پیش خلق نیکوگو باش
خواهی که چو صبح صادق‌القول شوی
خورشید صفت با همه کس یک رو باش

ترجمہ: اگر تو اللہ کا قرب چاہتا ہے تو دل جوئی کرنے والا اور لوگوں کے آگے پیچھے ہمیشہ بھلی بات کہنے والا بن۔ اگر تو صبحِ صادق کی طرح سچا ہونا چاہتا ہے تو سورج کی مانند سب کے ساتھ ایک سا ہو کر "یک سمت" اختیار کرلے۔

جب ہم اصلاح سے ڈرتے ہیں تو راستے خار سے اَٹ جاتے ہیں۔ جہاں خیر و محبت کے بیج نہیں ہوتے، نہ ان کی آبیاری ہوتی ہے، وہاں شر، حرص، نفرت اور ظلم کی فصل اگتی ہے۔

لیکن جب کوئی صبر کا بیج،
اخلاص کا پانی
اور عشق کا سایہ دے
تو خارستان — گلستان بن جاتا ہے۔

سندس رشید

دل کو لبھانے والی اس نوع کی ایک قسم اڑتی ہے۔ یہ پرندوں کی طرح پَر نہیں رکھتی بلکہ جسم پر موجود جھلّی کی مدد سے جست لگا کر دوسرے درخت پر پہنچ جاتی ہے۔

گھنے جنگلات میں پتّوں سے بھرے درختوں سے جب دھوپ چھن کر نیچے آتی ہے تو لگتا ہے کہ زمین نے سبز روشنی کی چادر اوڑھ لی ہے۔ اس ماحول میں شاخ در شاخ اور ایک درخت سے دوسرے درخت پر پھلانگتی رنگین پرچھائیں نظر آتی ہے۔ اگلے لمحے علم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہے بلکہ دنیا کی سب سے بڑی گلہری ہے جو بھارت کے مغربی گھاٹ کے جنگلات میں پائی جاتی ہے اور ملبار جائنٹ یا ملبار دیو قامت گلہری کے نام سے مشہور ہے۔ مغربی گھاٹ بھارت کے مغربی ساحل پر گھنے جنگلات سے ڈھکا ہوا طویل پہاڑی سلسلہ ہے۔

یہ دیو قامت گلہری شاذ و نادر زمین پر آتی ہے کیوں کہ اس کی دنیا بلند درختوں کی بالائی شاخیں ہیں۔ ایک درخت سے دوسرے درخت پر پھلانگنے والی یہ گلہری دیکھنے والوں کو حیران کر دیتی ہے۔ قد ایک میٹر یعنی تین فٹ تک ہے۔ گھنی دُم خوب صورتی میں اپنی مثال آپ اور اڑان بھرتے ہوئے توازن قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ غذا پھل، بیج، پھول اور پتّے ہیں۔ درخت سے اترنے سے گریز کرتی ہے کہ قد و قامت میں دیگر گلہریوں سے بڑی ہونے کی وجہ سے زمین پر اس کو شکار کرنے والے زیادہ ہیں۔ اس کی حفاظت اونچائی پر رہنے میں ہے۔

گلہریوں کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ درختوں پر رہنے والی، زمینی اور اُڑنے والی گلہریاں۔ چوں کہ گلہریوں کی بہت سی اقسام پائی جاتی ہیں، ان کی جسامت میں بھی فرق ہے۔ سب سے چھوٹی افریقا کی پگمی گلہری ہے جس کا

قد زیادہ سے زیادہ پانچ انچ اور وزن تقریباً 10 گرام ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا کے سوا یہ ہر براعظم میں پائی جاتی ہیں۔

گلہریاں دیکھنے میں خوش نما اور حرکت میں پھرتیلی ہیں جیسے ان کے نزدیک ساکن رہنے کی بجائے حرکت میں آرام ہے۔ یہ زمین پر اتنی ہی متحرک ہیں جتنی درخت کی شاخوں پر۔ ان کے ملائم جسم شاخوں سے لپٹ کر بآسانی بَل کھالیتے ہیں۔ جب یہ غیر معمولی آہٹ سنتی ہیں تو دیکھا گیا ہے کہ پہلے دُم اور جسم کو تنے سے لگا کر ساکت ہوتی ہیں پھر آہستہ آہستہ سرک کر محفوظ جگہ پر پہنچتی ہیں۔

زمین پر رہنے والی گلہریاں زمین میں بِل بناتی ہیں جو سرنگوں کا ایک جال ہوتا ہے۔ یہ موسمِ سرما اپنے بلوں میں گزارتی ہیں۔

اُڑنے والی گلہریاں درخت کی کھوہ یا پھر اُن گھونسلوں میں رہتی ہیں جو شاخوں کے جوڑ پر بنائے جاتے ہیں۔ دوسرے درخت یا درخت سے زمین تک پہنچنے کے لئے یہ دھڑ اور پیروں سے متصل جھلّی (پَرت) کو پھیلاتی ہیں اور ہوا میں اڑان (gliding) بھرتی ہیں۔ لگ بھگ 160 فٹ (48 میٹر) تک چھلانگ سکتی ہیں۔ ایسے میں لگتا ہے کہ اُڑ رہی ہیں۔

گلہریوں کا ایک قابلِ ذکر وصف شجر کاری ہے۔ یہ جنگلات کی افزائش میں اپنا حصہ ڈالتی ہیں اور قارئین جانتے ہیں کہ زمین پر حیات کے لئے جنگلات کتنے اہم ہیں۔

گلہریاں جنگلات کی مالی ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ یہ مٹی میں بیج اور گریاں دباتی ہیں تاکہ بعد میں کھا سکیں لیکن بیشتر بیجوں کے مقام ان کی یادداشت سے محو ہو جاتے ہیں۔ بھولے ہوئے بیج پھوٹ کر پودے بنتے ہیں اور پھر درخت بن جاتے ہیں۔ ماہرینِ نباتات نے اس عمل کو seed dispersal[1] کا نام دیا ہے۔

امریکا اور یورپ میں ہونے والی کئی تحقیقات بتاتی ہیں کہ شاہ بلوط[2] اور اخروٹ جیسے درخت کی افزائش کا انحصار کسی حد تک گلہریوں پر ہے۔ ان درختوں کے بیج وزنی ہوتے ہیں، ہوا ان کو زیادہ دور نہیں لے جاتی، یہ پرندوں کی غذا بنتے

۱۔ بیجوں کی ترسیل ۲۔ Oak Tree

ہیں۔ جو بیج گلہریوں کے حصے میں آتے ہیں، کچھ کھالیتی ہیں، باقی درخت بن جاتے ہیں۔

گلہریوں کا بیج دبانا جنگل کے حیاتیاتی تنوّع[۳] کے لئے اہم ہے۔ اگر وہ ایک ہی مقام پر بیج دبائیں تو وہاں محض ایک قسم کے درخت اگیں گے لیکن جب وہ مٹی میں متفرق مقامات پر مختلف بیج رکھتی ہیں تو نباتاتی تنوّع برقرار رہتا ہے جو پرندوں، کیڑوں اور دیگر جانوروں کے لئے مفید ہے۔ قسم قسم کے درخت کثیر اقسام کے جانداروں کو متوجہ کرتے ہیں۔ یوں ماحولیاتی نظام توازن میں رہتا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک گلہری سال میں ہزاروں بیج مٹی میں دباتی ہے لیکن ان بیجوں کی بڑی تعداد مٹی میں رہ جاتی ہے۔

① کیا وہ واقعی بھول جاتی ہیں؟

② کیا ان کی یادداشت اتنی کمزور ہے؟

③ اگر بیجوں کی جگہ یاد نہیں رہتی تو اگلی مرتبہ تمام بیج ایک جگہ کیوں نہیں دباتیں؟

④ ہر گلہری ایک ہی عمل کیوں دہراتی ہے؟

⑤ مٹی میں بیج دبانے کی بجائے بیج بونا کہا جائے

تو کیا ذہن میں کوئی دریچہ کھلتا ہے؟

"قلندر شعور" اندر میں سوچنا سکھاتا ہے اور کائناتی شعور سے ہمکنار کرتا ہے لہٰذا اس فکر کی پیروی کر کے گلہری کے طرزِ عمل کو کائناتی نظام سے جوڑنا فطری ہے۔

لاشعوری فکر کہتی ہے کہ جو بیج گلہریوں کے ہاتھ آتے ہیں، وہ انہیں ایک وقت میں نہیں کھا سکتیں، زمین میں مختلف جگہوں پر دبا دیتی ہیں۔ جب بیج لینے دوبارہ جاتی ہیں تو بعض بیج زمین میں نمی سے ہم جان ہوتے ہیں، وقتِ مقررہ کے بعد پھول کر کُھلتے ہیں اور درخت ظاہر ہونے کا آغاز ہو جاتا ہے۔ گلہریاں جب دیکھتی ہیں کہ بیج ایک بڑے نظام کی طرف بڑھ گیا ہے تو وہ اس نظام میں مداخلت نہیں کرتیں۔ وہ جانتی ہیں کہ بیج میں سے ظاہر ہونے والا درخت اس سمیت بہت سی دوسری حیات کی پناہ گاہ ہے۔

دوسری طرف عین ممکن ہے کہ گلہریاں کچھ بیج کھانے کی نیت سے مٹی میں دباتی ہیں اور بہت سے بیج شجرکاری کے ارادے سے بو دیتی ہیں اس لئے انہیں واپس لینے نہیں جاتیں۔

- قارئین، آپ کی کیا رائے ہے؟

۳۔ Bio Diversity

ماہرین کہتے ہیں کہ بیج بونے کے لئے جب گلہری مٹی کھودتی ہے تو بیرونی ہوا زمین میں داخل ہوتی ہے اور پہلے سے موجود پودوں اور درختوں کی جڑوں تک پہنچتی ہے۔ مزید یہ کہ گلہری کے چھوڑے ہوئے بیج اور غذا گل سڑ کر مٹی میں مل جاتے ہیں جس سے زمین مزید زرخیز ہوتی ہے۔ تحقیق و تلاش (سائنس) نے اس عمل کو Nutrient Cycling[۴] کا نام دیا ہے۔ اس سے زمین کو قدرتی کھاد فراہم ہوتی ہے اور یہ پودوں کی افزائش میں مددگار ہے۔

ہر جاندار کی طرح گلہری خود بھی غذا کی زنجیر کا اہم حصہ ہے۔ یہ بیج اور پھل کھاتی ہے لیکن خود باز، الّو، لومڑی اور سانپ کی غذا بنتی ہے۔ غذائی زنجیر نظامِ حیات میں توازن کے لئے ہے۔ شکاری نہ ہوں تو گلہریوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور وہ زیادہ مقدار میں بیج کھائیں گی۔ نتیجے میں شجرکاری کی مہم متاثر ہو گی۔

دوسری طرف ہر حیوان درخت سے گرے ہوئے بیج مٹی میں بونے کا کام نہیں کرتا۔ ایسے میں یہ چھوٹا جانور بلا تفریق ماحول کی خدمت کا فریضہ انجام دے کر ماحولیاتی توازن کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بیج بونے یا بیج دبانے کے حوالے سے یورپ میں مشرقی سرمئی گلہری اور سرخ گلہری میں ایک نمایاں فرق ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ مشرقی سرمئی گلہری بیج مختلف جگہوں پر دباتی ہے جن میں سے کئی درخت بن جاتے ہیں۔ یہ جنگلات کی قدرتی افزائش میں مؤثر ہے۔ دوسری طرف سرخ گلہری مخروطی درختوں کے بیج ذخیرہ کرتی ہے جو جلد خشک ہو کر ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سرخ گلہری جنگل کی دوبارہ افزائش میں رکاوٹ بنتی ہے۔

دل کو لبھانے والی اس نوع کی ایک قسم اڑتی ہے۔ یہ پرندوں کی طرح پَر نہیں رکھتی بلکہ جسم پر موجود جھلّی کی مدد سے جست[۵] لگا کر دوسرے درخت پر پہنچ جاتی ہے۔ یہ جھلّی کلائی سے ٹخنے تک جڑی ہوتی ہے اور بازو پھیلانے پر ہوا میں پیراشوٹ کی طرح کھل جاتی ہے اور گلہریاں قابلِ ذکر فاصلہ طے کر لیتی ہیں۔

اڑنے والی گلہری دُم کو اسٹیرنگ کے طور پر استعمال کرتی ہے اور فضا میں سمت بدلتی ہے۔

۴۔ غذائی اجزا کی گردش ۵۔ چھلانگ

محققین کہتے ہیں کہ یہ 180 ڈگری تک موڑ بھی کاٹ سکتی ہیں اور بہترین انداز میں زمین پر اترتی ہیں۔ اڑنے والی گلہریوں کی کم و بیش 50 اقسام دریافت ہو چکی ہیں جو امریکا سے ایشیا اور اسکینڈے نیویا تک پھیلی ہوئی ہیں۔

اڑنے والی گلہریوں کی سب سے بڑی قسم وُلی فلائنگ ہے جس کا وزن ساڑھے پانچ پونڈ تک بتایا جاتا ہے۔ سب سے چھوٹی قسم چند اونس وزنی ہے اور زیادہ تر رات کو سرگرم رہتی ہے۔ اس کی بڑی آنکھیں اسے اندھیرے میں دیکھنے کے قابل بناتی ہیں۔

رات میں جاگنے والے جانوروں کی صلاحیتیں دن میں جاگنے والے جانوروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان کے حواس کی رینج دن میں جاگنے والے جانوروں کی بہ نسبت زیادہ ہوتی ہے کیوں کہ یہ سورج کی روشنی کے بغیر دیکھتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ رنگوں کی ان مقداروں کا کسی حد تک علم رکھتے ہیں جن کو ہم اندھیرا سمجھتے ہیں۔

زمین پر موسمیاتی تبدیلیوں سے سنگین مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ گلہریاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

چھتری

① ایک گلہری دن کے آٹھ گھنٹے خوراک جمع کرنے میں گزار سکتی ہے۔

② اڑنے والی گلہریوں کی آنکھوں میں ایسے خلیے ہوتے ہیں جو سورج سے منعکس ہونے والی روشنی کم ہونے یا رات میں دیکھنے کی صلاحیت کو بڑھاتے ہیں۔

③ ملبار دیو قامت گلہری کی دُم اس قدر گھنی ہے کہ یہ بارش میں خود کو ڈھانپنے کے لئے دُم کو چھتری بنا لیتی ہے۔

④ پھلوں کی گریاں اور سخت چیزیں کترنا گلہریوں کی غذائی ضرورت ہے اس لئے ان کے دانت گِھس کر پھر بڑھ جاتے ہیں۔

درجہ حرارت اور بارشیں بڑھنے سے گلہریوں کی خوراک کا نظام اور مسکن متاثر ہوا ہے۔ کبھی درخت جلدی اور کبھی دیر سے پھل دیتے ہیں۔ طوفان میں گھونسلے گرنے سے افزائشِ نسل متاثر ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو دیگر نقصانات کے ساتھ گلہریوں کے ذریعے ہونے والی شجرکاری میں کمی آسکتی ہے۔

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

سرورق کی تشریح
اگست 2025ء

بَن کی رات

زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ فرد دن میں کھانے پینے، معاشی جدوجہد، میل جول، سفر، مطالعہ الغرض مختلف قسم کے مشغولات میں مصروف رہتا ہے۔ دن کے اختتام کے بعد چھ سے آٹھ گھنٹے یا کم و بیش سوتا ہے پھر اگلے دن کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ وہ دن میں کیئے گئے کاموں کا ذہن میں ترتیب وار ریکارڈ رکھتا ہے اور اسے زندگی قرار دیتا یا سمجھتا ہے جب کہ مصروفیات کا سلسلہ نیند کے دوران خواب میں بھی جاری رہتا ہے۔

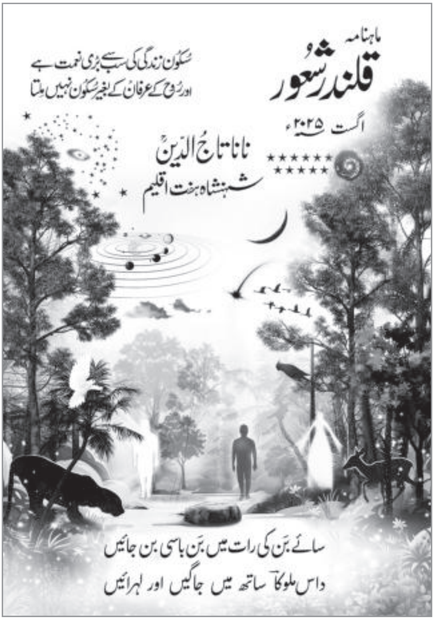

باطنی علوم کے ماہرین خواتین و حضرات انکشاف کرتے ہیں کہ نوعِ انسانی کا ہر فرد نیند کی دنیا میں زندگی کے سارے تقاضے پورے کرتا ہے اور بیداری تک ایسا ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بیدار ہونے پر اپنی مصروفیات اور ان میں تسلسل یاد نہ رہے۔ بالفاظِ دیگر خواب یاد نہ رہے یا چند جزئیات حافظے میں رہ جائیں۔ بعض اوقات کوئی خواب تمام تر تفصیل کے ساتھ یاد رہتا ہے اور بعض خواب ایسے ہیں کہ جن کے ذہن و جسم پر مرتب ہونے والے اثرات بیداری میں باقی رہتے ہیں۔

ہم بیداری اور خواب میں برسرِعمل حواس کی رفتار اور کارکردگی میں واضح فرق دیکھتے ہیں۔ فرد کا ذہن بیداری اور خواب، دونوں میں موجود ہوتا ہے اور اسے خواب اور بیداری کے حواس کے

درمیان فرق کا کچھ نہ کچھ ادراک ہوتا ہے۔ عوام الناس میں ایسے افراد موجود ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ خواب کے تیز رفتار اور اعلیٰ نوعیت کے حواس کو بیداری میں استعمال کرنا ممکن ہے؟

عظیم روحانی سائنس دان حضور خواجہ شمس الدین عظیمیؒ فرماتے ہیں:

"انسان کی روح یا اَنا ہمہ وقت متحرک رہتی ہے۔ جس طرح بیداری کا پورا وقفہ کسی نہ کسی حرکت سے عبارت ہے، اسی طرح خواب بھی حرکت ہے۔ انسان بیداری میں اپنی جسمانی حرکات سے واقف رہتا ہے اس لئے کہ اس کی شعوری دلچسپی بیداری سے قائم رہتی ہے۔ اس کے باوجود بیداری کے تمام واقعات اس کے حافظے میں ریکارڈ نہیں ہوتے۔ صرف وہ حالات یاد رہتے ہیں جو شعور پر کسی بھی وجہ سے اپنا اثر چھوڑتے ہیں۔" (کتاب: مراقبہ)

نیند میں گزرے ہوئے واقعات کا حافظے سے محو ہو جانا اور خواب کے حواس سے استفادہ کرنے سے عاجز رہنا، دراصل ہماری ذہنی دلچسپی اور توجہ پر ہے۔ یہ رَوش عام ہے کہ خواب اور خواب کی زندگی کو محض ایک خیال یا غیر حقیقی شے سمجھا جاتا ہے۔ خواب کے حواس کی غیر معمولی صلاحیت اور رفتار کو بیداری میں استعمال کرنا تبھی ممکن ہے جب فرد تمام تر ذہنی و فکری توجہ خواب (علمِ رویا) کے حواس میں مرکوز کر دے۔ اس عمل کو انبیا کرام علیہم السلام کے روحانی علوم کے وارثین اولیاءاللہ نے "مراقبہ" کے نام سے متعارف کرایا ہے۔

مراقبہ کرنے والا بیدار رہتے ہوئے اپنے شعور کو خواب کے حواس سے واقف اور مانوس کرنے کی مشق کرتا ہے حتیٰ کہ وہ ارادے اور منشا کے تحت خواب کے حواس میں سفر کر سکتا ہے۔

قرآن کریم میں تفکر یعنی مراقبہ کے ساتھ شب بیداری اور خواب کے حواس کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ پیغمبران کرام علیہم السلام کے راتوں کو بیدار رہنے اور اللہ رب العالمین کی ذاتِ والا صفات میں تفکر کے کئی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ رات کے حواس کی فضیلت یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک رات (لیلۃ القدر) ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

انبیا کرام علیہم السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہر دَور میں اولیاءاللہ نے مراقبہ کے ساتھ

شب بیداری کا خصوصی اہتمام کیا تا کہ اُن کا ذہن خواب کے حواس سے ہم آہنگ ہو جائے اور وہ حواس جن میں مفروضہ ہے، کی گرفت ٹوٹ جائے تا کہ روحانی دنیا کا راستہ کھلے۔

خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ فرماتے ہیں:

"روحانی دنیا میں داخل ہونے کے بعد بندہ اُس خصوصی تعلق سے واقف ہو جاتا ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان بحیثیت خالق و مخلوق ہر لمحہ اور ہر آن موجود ہے۔"

اگست 2025ء کے سرورق کو بغور دیکھتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے رات کے حواس کی وسعت اور رفتار کا ادراک ذہن پر دستک دیتا ہے۔ گھنے جنگل کی فضا اور ماحول بظاہر پُراسرار ہے لیکن رات کے حواس سے واقف ذہن یہاں خوف اور اندھیروں کی بجائے مخلوقات کی چہل پہل دیکھتا اور گفتگو سنتا ہے، آسمان پر ستاروں کی مجلس اور کہکشانی نظاموں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ دیدہ نادیدہ مخلوقات کے سایوں (باحواس پرت) کو شریکِ محفل دیکھتا ہے۔

یہ محفل اللہ کے دوست، شہنشاہ ہفت اقلیم، نانا تاج الدین ناگپوریؒ کی ہے۔ نانا صاحبؒ نے جنگل میں قیام کیا تو جنگل کے باسیوں کو ان کی جسمانی، فکری اور روحانی قربت نصیب ہوئی۔

؎ سائے بن کی رات میں بن باسی بن جائیں　　داس ملوکاؔ ساتھ میں جاگیں اور لہرائیں

نانا تاج الدینؒ کے نواسے ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے اس کرامت کا پس منظر اور دوہے میں حکمت "تذکرہ تاج الدین باباؒ" میں بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

"جنگل کی رات میں سائے آدمی بن جاتے ہیں۔ تاج الدینؒ ان کے ساتھ جاگتے رہتے ہیں اور خوش گپیاں کرتے رہتے ہیں۔ نانا کویتا میں اپنا نام داس ملوکاؔ لیا کرتے تھے۔"

اگست 2025ء کا سرورق نانا صاحبؒ کے دوہے کو بڑی خوب صورتی اور جامعیت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ دیکھنے والے کو دعوتِ فکر ملتی ہے کہ ہیولے اور سائے کی باطنی سائنس کو تلاش کرے۔

(تشریح: مکمل مینا)

اقتباسات

”ماہنامہ قلندر شعور“ کو گُل دستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

مومن کی طرز فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر حالت کو چاہے وہ خوشی کی ہو، غم کی ہو یا مالی فراوانی کی ہو، ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ ہر مصیبت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں، وہ کبھی ناامیدی کی دلدل میں نہیں پھنستا، اللہ کا شکر ادا کرنا اس کا شعار ہوتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ جس طرح خوشی کا زمانہ آتا ہے، اس طرح مصائب کا دور آنا بھی ایک ردِّعمل ہے۔ وہ آزمائش کے زمانے میں جد وجہد اور عمل کے راستے کو ترک نہیں کرتا کیوں کہ اس کی پوری زندگی ایک پیہم جدوجہد ہوتی ہے۔ (سمیرا سلیم۔ شارجہ، کتاب: موت و زندگی)

ہر انسان کے اندر سطحی اور گہری سوچ موجود ہے۔ تفکر جب گہرا ہوتا ہے تو بجز اس کے کوئی بات سامنے نہیں آتی کہ ہر آدمی جنت اور دوزخ اپنے ساتھ لئے پھرتا ہے اور اس کا تعلق طرزِفکر سے ہے۔ طرزِفکر آزاد اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مطابق ہے تو آدمی کی ساری زندگی جنت ہے۔ طرزِ فکر میں ابلیسیت ہے تو تمام زندگی دوزخ ہے۔ (مونس انیس۔ کراچی، کتاب: کشکول)

انسان جس جسمانی وجود سے اس دنیا میں چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا ہے اور دوسرے مشاغل میں مصروف رہتا ہے، وہ فانی ہے۔ ہر انسان کی اصل اس کی روح ہے۔ روح کا ادراک ہونے سے انسان اپنی اصل سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سے واقفیت ہی عرفانِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔

(نور جہاں۔ پھالیہ، کتاب: احسان وتصوف)

محمد عدنان خان

کورشِ اعظم

زمانیت کی بے رنگی سے طلوع ہونے والی مکانیت کے طول و عرض پر پھیلی ایک ایسے سرخیل رَزم و بزم طلسم کی داستان جس کے قدموں کی دھمک سے زمین لرزہ براندام تھی اور جس کے نام کا کواکب میں شہرہ تھا۔

گزشتہ اقساط کا خلاصہ : قدیم سلطنت فارس کی ابتدا موجودہ ایران کے قدیم علاقے انشان سے ہوئی جس کا حکمران کمبائسس تھا۔ وہ مدائن (میڈیا) کے بادشاہ استغیز کا داماد تھا۔ کمبائسس اور شہزادی منڈانہ شادی کے کئی سال تک بے اولاد تھے۔ ایک شب منڈانہ نے خواب دیکھا جس کی تعبیر بادشاہ کے لئے پریشان کُن تھی۔ اس نے وزیر ہاراپاگس کی مدد سے بچے کو مارنے کا منصوبہ بنایا۔ شاہی چرواہے میتھرابیٹس اور اس کی طبیبہ بہن کو جبراً ذمہ داری سونپی گئی۔ جس روز شہزادی کے ہاں ولادت ہوئی، اسی روز چرواہے کے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ طبیبہ نے بچہ تبدیل کرکے بھائی کو دے دیا۔ بچے کا نام کورش رکھا گیا۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ ایک روز شاہی لڑکوں نے اس کی بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا۔ اس نے انہیں مار بھگایا اور بعد میں گرفتاری دے دی۔ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اس کے نقوش دیکھ کر چونک گیا۔ کورش کی حقیقت معلوم ہونے پر بادشاہ کی نیند اڑ گئی۔ مارنے کی کوشش پر وہ زندان سے فرار ہو گیا۔ ملکہ اور منڈانہ کو حقیقت معلوم ہوئی۔ منڈانہ کورش کو انشان لے آئی۔ یہاں سے کورش اور استغیز کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا۔ کورش کی گرفت مضبوط اور استغیز کی گرفت کمزور ہوتی گئی۔ دوسری جانب لیڈیا کا محاذ بھی سرگرم ہو رہا تھا۔ اس دوران میں کورش کی کساندانے سے شادی ہو گئی۔ اب آگے پڑھئے۔

یہاں ضروری ہے کہ لیڈیا (Lydia) کے محلِ وقوع اور حالات پر نظر ڈالی جائے۔

لیڈیا اُس زمانے کی ایک خوش حال اور طاقتور سلطنت تھی جو مغربی اناطولیہ (موجودہ مغربی ترکی) میں واقع تھی۔ موجودہ یورپ، ایشیا اور بحیرۂ روم کی تہذیبوں کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کا محلِ وقوع بہت اہمیت کا حامل تھا۔ لیڈیا کے مشرق میں فریگیا تھا۔ فریگیا کا

مقام وسطی اناطولیہ یا موجودہ وسطی ترکیہ تھا۔ لیڈیا کے مغرب میں ایجیئن سمندر تھا جو یونان (Greece) اور موجودہ ترکیہ کے درمیان واقع ہے۔ شمال میں میسیا تھا جس کا مقام شمال مغربی اناطولیہ یا موجودہ ترکیہ کا بحیرۂ ایجیئن سے متصل علاقہ تھا جب کہ لیڈیا کے جنوب میں کاریہ واقع تھا جس کا مقام جنوب مغربی اناطولیہ یا موجودہ ترکیہ کا صوبہ موغلا اور آیدین تھا۔

سلطنتِ لیڈیا زرخیز خطے پر واقع تھی۔ اس کے درمیان سے دریائے ہرمس گزرتا تھا جس کا موجودہ نام دریائے گیدز ہے جب کہ اس دور میں تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے مشہور پہاڑ "ٹمولس"، جس کا موجودہ نام "بوزداگ" ہے، اسی سلطنت کی حدود میں تھا۔

لیڈیا کا دارالحکومت ساردس (Sardis) پہاڑ ٹمولس کے دامن میں تھا۔ ساردس کا حالیہ مقام ترکی کا شہر صالیحلی ہے۔ لیڈیا کے ترقی یافتہ ہونے کی وجوہات میں ساردس کے قریب بہنے والے دریائے پیکٹولس سے نکلنے والا سونا اور ایجیئن کی بندرگاہ کے ساتھ اہم تجارتی راستے، زرخیز زمینیں اور بحیرۂ ایجیئن میں موجود سرخ مرجان کی چٹانیں (Red Coral Reef) تھیں جو دنیا کا مہنگا ترین اور نایاب مرجان پیدا کرتی تھیں۔ لیڈیا کی بندرگاہ سے ہونے والی تجارت کا حجم اتنا زیادہ تھا کہ اس سے حاصل شدہ آمدنی کے بعد اس سلطنت کو دوسرے وسائل پر انحصار کی ضرورت نہیں تھی۔ ایسے میں دوسری معاشی سرگرمیوں اور سرمایہ کاری نے زرِمبادلہ کے ذخائر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لیڈیا کے پاس دنیا کے بہترین ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا۔

اس کی سپاہ دنیا کے مہنگے اور نسلی گھوڑوں سے لیس تھی۔ ان کے گھوڑے عام گھوڑوں سے تیز رفتار اور طاقتور تھے۔ سپاہی خوش حال اور لڑنے کی اعلیٰ مہارتوں سے واقف تھے۔

لیڈیا کا بادشاہ کروسس اسپارٹا، مصر اور بابل سے تعلقات بہتر کرنے کی کوشش میں تھا اور مختلف معاملات میں ان کی، خصوصاً پیسے سے مدد بھی کر رہا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ جنگ میں انہیں رفیق بنایا جائے۔

کروسس کی نیت کورش پر عیاں تھی۔ وہ والد کمبائسس، مدائن کے سابقہ وزیر ہاراپاگس اور

اپنی اہلیہ کیس کے ساتھ آگے کی حکمتِ عملی طے کر رہا تھا۔ اطلاعات تھیں کہ مصر اور اسپارٹا نے لیڈیا کا ساتھ دینے کا معاہدہ کرلیا تھا جب کہ بابل سے مذاکرات جاری تھے۔ ان سب میں تین سال کا عرصہ گزر گیا۔

فارس کی سلطنت تیز رفتاری سے خوش حالی کا سفر طے کر رہی تھی۔ ساتھ ہی کورش اور کیس نے لیڈیا کے ساتھ نہ صرف جنگ کا پورا نقشہ ترتیب دے دیا تھا بلکہ سرحدی چوکیوں پر فوجی دستوں کی تعیناتی بھی منصوبے کے مطابق کر دی گئی تھی۔ منصوبے کا علم کیس، کورش اور کمبائسس کے علاوہ کسی کو نہ تھا۔

کچھ نئے سپہ سالاروں نے نئی فوجی تنظیم اور تعیناتیوں کی وجوہات جاننا چاہیں تو انہیں پہلے سے طے شدہ مختلف وجوہات بتائی گئیں، اصل وجہ آشکار نہیں کی گئی۔

یہ منصوبے کا حصہ تھا کہ فارس اور لیڈیا کے درمیان دریائے ہیلیز جو اس دَور میں دونوں ملکوں کے درمیان سرحد کی حیثیت رکھتا تھا، اس پر کورش کی جانب سے حفاظتی چوکیوں پر بہت کم اور معمولی تربیت یافتہ اہلکار تعینات کئے گئے تھے۔ طاقتور اور ماہر حفاظتی دستوں کو ان سے تھوڑا پیچھے رکھا گیا تھا۔

کورش نے اپنے والد کمبائسس کو نگراں مقرر کرتے ہوئے اونٹ سوار فوجیوں کا پورا دستہ نہایت خفیہ طور پر تیار کرنے کی ذمہ داری دی اور براہِ راست نگرانی سے منع کیا۔ یہ ایک مشکل ہدف تھا مگر کمبائسس فہم و فراست میں کم نہ تھا۔ اس نے اس کام کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار بنا دیے تاکہ بڑے پیمانے پر اونٹوں کی نقل و حرکت کسی کو متوجہ نہ کرے۔

دریائے ہیلیز جو وسطی اناطولیہ سے شروع ہو کر بلیک سی یعنی بحیرۂ اسود پر ختم ہوتا ہے، کا نام آج قزل ارماک (Kizilirmak) ہے۔ یہ ترکی کا طویل ترین دریا ہے۔

لیڈیا کے بادشاہ کروسس کی فوج کے لئے سامانِ حرب و ضرب کی خوب فراوانی تھی مگر جو مہارت کورش کی سپاہ کو حاصل تھی، وہ ان سے ناآشنا تھے۔ اس کے علاوہ کورش کی سپاہ میڈیا (مدائن) کے ساتھ طویل جنگ لڑنے کی

وجہ سے قابلِ ذکر جنگی تربیت اور تجربہ حاصل کر چکی تھی۔ طویل جنگ نے اعصاب کو مضبوط اور پھر فتح نے اعتماد میں بہت اضافہ کر دیا تھا۔

کورش کی زندگی کے پہلوؤں سے کوئی واقف نہ تھا، جب ان کی ہلکی جھلک کیس کے سامنے آتی تو وہ خوفزدہ ہو جاتی۔ وہ بسا اوقات روانی میں ایسی باتیں کر جاتا تھا جن کے متعلق اس کے سوا باقی لوگوں کو خبر نہ ہوتی تھی۔ گفتگو سے یہ تاثر بھی ملتا تھا کہ وہ کائناتی شعور میں مستغرق رہتا ہے اور ماورائی صلاحیتوں کا حامل ہے۔

کیس سمجھ دار تھی۔ وہ کورش کی زندگی میں آنے کے بعد شعور سے حقائق جاننے کا ذوق رکھتی تھی۔ ایک روز کاخِ زرّیں سے منسلک جھیل جس کا موجودہ نام "چغاخور" ہے، کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے اس نے اپنے شوہر سے سوال کیا،

کورش! دنیا کی حقیقت کیا ہے؟

یہ سوال اس نے کورش کے ذہن کی گہرائی کو جانچنے کے لئے کیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ کورش اس سے جنگی منصوبوں سے ہٹ کر بھی گفتگو کرے — مثلاً کائنات کے سربستہ رازوں سے متعلق جو کبھی کبھار افرند اور اس کی گفتگو میں سننے کو ملتے تھے۔ کیس نے جان بوجھ کر قدیم عیلامی زبان میں سوال کیا تھا کیوں کہ وہ اس موضوع پر اسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔

کورش نے سوال سن کر چونکتے ہوئے کیس کو دیکھا پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

کیس! یہ مادی شعور سے ماورا موضوع ہے۔ تم ذہین ہو، کوشش کرتا ہوں کہ مشاہدے کو الفاظ میں بیان کر سکوں۔

وہ کیس کا ہاتھ پکڑ کر ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا، اسے سمجھانا اور سمجھنا آسان نہ تھا کیوں کہ کیس الفاظ کے زون میں رہتی تھی اور کورش مشاہداتی زون کا باسی تھا۔ پھر بھی کوشش کی کہ ضرورت اور کیس کی ذہنی سکت کے مطابق جواب دے سکے۔

اس نے گہرے لہجے میں بات شروع کی،

کیس! یہ دنیا بلکہ کائنات کسی ٹھوس مادّے سے نہیں بنی۔ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں، وہ علم کی محض مظاہراتی شکل ہے جو ہر مخلوق کو کائنات میں اپنے مقام، صلاحیت اور شعوری سکت کے

مطابق نظر آتی ہے۔ علم کی بنیاد روشنی ہے۔ عام روشنی نہیں، خاص روشنی۔ کائنات کا ہر مقام اس خاص روشنی سے معمور ہے۔ جب یہ روشنی نزول کرتی ہے تو مخصوص زاویائی تعدّد (frequency) کا لاشمار فارمولوں میں مظاہرہ ہوتا ہے۔ ہر فریکوئنسی معلومات کی اکائی ہے۔ معلومات کی یہ اکائیاں جب نظام کو ظاہر کرنے کے لئے ایک ربط اختیار کرتی ہیں تو وہ اسپیس ظاہر ہوتی ہے جسے ہم مادی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسپیس اس مقام پر نمایاں ہوگئی ہے جہاں روشنی میں سے مخصوص فارمولوں کے تحت معلومات کے یونٹ ظاہر ہوئے۔ عام آدمی جس ذہن سے اس دنیا کو دیکھتا ہے، وہ دنیا کے ظاہری رخ کا مشاہدہ ہے۔ دوسری طرف — کائنات کی کنہ تلاش کرنے والا جب بساطِ کائنات پر غور کرتا ہے تو وہ خاص روشنی اس کی نگاہ بن جاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ کائنات معلومات کی اکائیوں کے معین ربط کا نتیجہ ہے — ہم ان اکائیوں کو روشنی کے نقطے کہہ سکتے ہیں۔

لگتا تھا کہ کورش ماورائی علوم کا پروفیسر اور کیس اس کی شاگرد تھی۔

جب وہ خاموش ہوا تو کیس نے کہا، کورش! معلومات کی یہ اکائیاں جو روشنی کے نقطوں پر مشتمل ہیں، مظاہر میں کیسے مشکّل ہوتی ہیں؟

کیس حیرت سے کورش کو دیکھ رہی تھی۔ کورش جانتا تھا کہ جو کچھ اس نے بتایا ہے، کیس کا شعور اسے "جذب" نہیں کر سکا۔ کیس ذہین تھی لیکن یہ راستہ اس کے لئے نیا تھا، وہ اپنی بات پوری کر چکا تھا لیکن جو کچھ کہا تھا، وہ بند لفظوں میں تھا، جان بوجھ کر کیس پر یہ سب کھولا نہیں تھا۔ بات کھول دینے سے بات سمجھ میں نہیں آتی جب تک کہ ذہن ان باتوں کو سمجھنے کے لئے ہموار نہ ہو۔ ہموار تب ہوتا ہے جب بتائی گئی بات کو خود سے سمجھنے کی تگ و دو کرتا ہے اور کیس کو یہ مرحلہ ابھی طے کرنا تھا۔

تسلی بخش بات یہ تھی کہ کورش کے الفاظ نے کیس کو متاثر کیا تھا اور اس کے اندر دلچسپی پیدا کی تھی۔ اسے کورش سے محبت تھی، ظاہری دنیا کے معاملات میں ہر محاذ اور معاملے پر وہ اس کے شانہ بشانہ تھی، اندر کی دنیا کے معاملات میں بھی کورش کے ہم ذہن ہونا چاہتی تھی۔ یہ کس حد تک ممکن تھا، اس کے امکانات وقت

---

* اکائی (یونٹ)

کے ساتھ روشن ہونے تھے۔

کیس کے دماغ کی اسکرین پر کورش کے الفاظ کی تکرار مختلف اشکال میں مظہر بن رہی تھی۔ شدت سے احساس ہوا کہ کورش صرف ظاہر میں وجیہ اور شاندار شخصیت نہیں رکھتا، اس کا باطن بھی حسین لیکن مخفی ہے۔

کورش نے کہا، جو سوال تم نے پوچھا ہے، اس کا جواب میں نے دے دیا ہے لیکن تفصیل میں نہیں گیا۔ جب وقت آئے گا تو اس کی وضاحت ہو جائے گی۔ ابھی جو سنا ہے، اس پر غور کرو۔

وہ جانتا تھا کہ کیس کے ذہن میں بہت سے سوالات کُلبلا رہے ہیں۔

کورش کا جملہ مکمل ہوا تھا کہ پہاڑی سلسلے زاگرس کے درمیان واقع جھیل کے پُرسکون ماحول میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور ان سے پیدا ہونے والی گونج نے تلاطم بپا کر دیا۔ آوازوں میں بے چینی واضح تھی۔ کورش کے ہاتھ خودکار انداز میں تلوار کے دستے پر جمے پھر وہ تیزی سے کاخِ زرّیں کی طرف دوڑا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کی جھلک نمایاں تھی۔

کیس بھی کورش کے پیچھے دوڑی۔ محل میں خادموں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ کمبائسس اور منڈانہ انشان میں تھے۔ محل پر سپاہیوں کا دستہ تعینات تھا مگر تعداد کم تھی۔ 15 کے قریب حملہ آور جو ڈیل ڈول میں پہلوان دکھائی دیتے تھے، توانا گھوڑوں پر سوار، راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو تہس نہس کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ کورش کے محافظ سپاہیوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔ جلد ہی ان کے گھوڑے محل سے متصل باغ کو روندتے اندر داخل ہو گئے۔

کورش پھرتی سے محل کے اندرونی دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کیس محل میں موجود خفیہ سرنگ سے باہر نکل جائے مگر یہ کیس کے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ اندر گئی لیکن چند لمحوں بعد تلوار کے ساتھ کورش کی پشت پر موجود تھی۔ حملہ آوروں کے نزدیک وہ زنانہ لباس میں گھریلو خاتون تھی مگر پھر جو اس نے شمشیر زنی کے جوہر دکھائے، پہلوان گھبرا گئے۔ کورش پہلے ہی ان کے لئے جان کا وبال تھا، اب کیس بھی اٹھا پٹخ کر کے انہیں شمشیر زنی اور دشمن کو زیر کرنے کے اصول سکھا رہی تھی۔

(قسط: ۲۴)

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

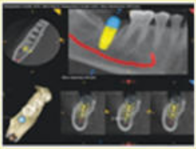

OPG

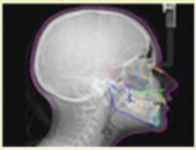

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk **Web:** www.3d-diagnostic.pk

عظیمی انسٹیٹیوٹ آف کلر تھراپی

سرپرست:

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی رحمۃ اللہ علیہ

حکومتِ پنجاب سے منظور شدہ

TEVTA NAVTCC PBTE

NCT

کلر تھراپی ڈپلومہ کورس

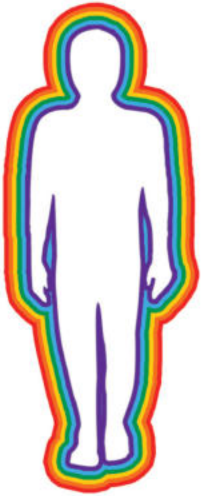

Career Opportunities

Graduates of this course can find employment opportunities in the following areas:

- Colour Therapy Clinics
- Alternative Medicine Departments
- Alternative Medicine Research Centers

WhatsApp
0334-6396370

Email
azeemi.colourtherapy@gmail.com

Website
www.azeemicolourtherapy.com

Head Office
204-B Tariq Gardens, Lahore

Sub Office
Azeemi Hospital, Kahna Nau, Lahore.

خرچ ہو جائے تو واپس آجانا

فارسی ادب میں ”مثنوی مولوی معنوی“ کا منفرد مقام ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف چھ دفاتر پر مشتمل ہے جن میں اشعار کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مثنوی کی تصنیف کا سبب مولانا رومؒ کے مرید حسام الدین چلپی بنے۔ مولانا رومؒ نے دفترِ اول کے علاوہ ہر دفتر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ مثنوی دلچسپ پیرائے میں ظاہر و باطن کا احوال ہے جس سے ہر شخص فہم و فراست کے مطابق حکمت حاصل کرتا ہے۔ یہ مثنوی سادگی، روانی، منقولات و معقولات، نصیحت آمیز جملوں، تلمیحات و استعارات اور دلچسپ واقعات و تمثیلات کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے قارئین کے لئے مولانا رومؒ کی مثنوی کا اردو ترجمہ اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

سارنگی بجانے والے بوڑھے کا قصہ سنو۔

وہ گوّیا جس کی آواز سے دنیا مستی سے بھری ہوئی تھی اور دل آویز خیالات دستک دیتے تھے، اس کی نغمہ سرائی سے جذبات پرواز کرتے اور شعور پر وجد طاری ہو جاتا۔ جب عمر ڈھلی اور وہ بوڑھا ہوگیا تو ایسا بے بس ہوا کہ باز جیسی زندگی پر مچھر غالب آگیا۔ باز کیا، ہاتھی بھی ہو تو بلاشبہ مچھر کے آگے بے بس ہو جائے۔ وہ بوڑھا ہوا، کمر بوجھ سے مٹکے کی طرح جھک گئی۔ بھویں آنکھوں پر اس طرح چھا گئیں جیسے پارِ دُم[1] کی پچھلی ڈوری مڑ جاتی ہے۔ پاکیزہ اور لطف پیدا کرنے والی آواز دل خراش ہو گئی۔ آواز میں خوشی کی جگہ ناخوشی نے لے لی۔ وہ آواز جس پر زہرہ[2] رشک کرتی تھی، اب ناگوار ہو گئی۔

کوئی خوشی ایسی ہے جو غم میں نہ بدلی ہو؟
کوئی چھت ایسی ہے جس پر فرش نہ بچھا ہو[3]؟

لیکن جن کے دل اللہ کی محبت میں مست ہیں، ان کے سینوں سے نکلنے والی آواز سچی، باا‌ثر اور

۱۔ گھوڑے کی پشت پر کجاوہ جس کی ڈوریاں مڑ جاتی ہیں۔ ۲۔ ایک سیارے کا نام جسے اہلِ نجوم تخیلاتی خاتون موسیقار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ۳۔ ہر بلندی سے پہلے آزمائش ہوتی ہے۔

پُر نور ہوتی ہے۔ ان کی سانسوں سے مردہ دل زندہ ہوجاتے ہیں کہ ان کی آواز اللہ کی محبت سے سرشار ہے۔ اس آواز سے بہت سے باطن مست ہیں۔ یہ آواز زمانے کے لئے کہربا[4] ہے۔

سارنگی بجانے والا بوڑھا اور کمزور ہوگیا تھا۔ کمانے سے عاجز اور ایک روٹی کا مرہونِ منت تھا۔ اس نے کہا، ”اے اللہ! تونے مجھے عمر اور بہت مہلت دی۔ اے اللہ! تونے مجھ کم ظرف پر مہربانیاں کیں۔ میں نے ستّر سال گناہ کئے۔ تونے مجھ سے ایک دن بھی اپنی عطا واپس نہ لی۔ اب کمانے سے عاجز اور بے آسرا ہوں۔ تیرا مہمان ہوں۔ اب میں تیرے لئے سارنگی بجاؤں گا کیوں کہ اب میں تیرا غلام ہوں۔“

اس نے سارنگی اٹھائی اور اللہ تعالیٰ کی طلب میں روانہ ہوا۔ یثرب کے قبرستان سے گزرا اور آہیں بھرتا ہوا بولا، میں اللہ کی مدد کا طلب گار ہوں۔ وہ کھوٹے سکّے کو بھی عمدگی کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ سارنگی بجائی پھر روتے روتے سارنگی کا تکیہ بنایا اور اس پر سر رکھ دیا۔ نیند آگئی — جان کا پرندہ جسم اور دنیا کی تکلیف سے آزاد ہوکر صحرائے جاں[5] میں جا پہنچا۔

وہاں پہنچ کر روح گویا ہوئی،

”اے کاش! مجھے اِس جگہ رہنے دیتے۔ اس باغ و بہار سے میری جان خوش ہوتی۔ اس لالہ زار غیبی میدان سے مست ہوتی۔ میں پَر اور پیر یعنی جسم کے بغیر سفر کرتی۔ ہونٹ اور دانتوں کے بغیر شکر کھاتی۔ ذکر اور فکر میں مشغول ہوتی۔ آسمان میں بسنے والوں کے ساتھ خوشی مناتی۔ ہاتھ لگائے بغیر گلاب و ریحان چنتی۔ یہ عالم جو نیند میں مجھے نظر آیا، اس نے وسعت کی وجہ سے میرے بال و پَر کھول دیے ہیں۔ یہ عالم اور اس کا راستہ اگر دنیا والوں کو نظر آتا تو کوئی ایک لمحے کے لئے بھی دنیا میں نہ ٹھہرتا۔“

اب پڑھیے، غیبی آواز کا نیند میں حضرت عمرؓ سے کہنا کہ اس قدر روپیہ بیت المال سے اُس شخص کو دے دو جو قبرستان میں سویا ہوا ہے:

اُس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ پر نیند طاری کردی۔ وہ کوشش کے باوجود نیند کے غلبے سے خود کو نہ روک سکے۔ تعجب کیا کہ یہ بات عادت میں شامل نہیں ہے یعنی یہ غیب

۴۔ ایک درخت کا گوند جس میں تنکوں کے لئے کشش ہوتی ہے۔ ۵۔ عالمِ ارواح

سے آئی ہے، بلا مقصد نہیں ہے۔ سر رکھا اور نیند آگئی۔ خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی آواز آئی جو اُن کی جان نے سنی۔

وہ آواز جو ہر آواز اور صدا کی اصل ہے۔ وہی آواز ہے اور یہ باقی سب گونج ہے۔ ترک، کُرد، فارسی بولنے والے اور عرب کان اور ہونٹ کے بغیر اس آواز کو سن چکے ہیں۔ اس آواز کو تو لکڑی اور پتھر نے سنا ہے۔ ہر وقت اس کی جانب سے ”الست“ کی آواز آتی ہے۔

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

جو فرد وجود میں آ گیا،

اس کا وجود میں آنا بذاتِ خود ”بلیٰ“ ہے۔

بلیٰ — اللہ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ وہ جو میں نے لکڑی اور پتھر کے سمجھنے کی بات کہی ہے، اس کے بیان میں ایک قصہ سن لے۔ میں نے پتھر اور لکڑی کی سمجھ بوجھ کی بات کی ہے، اس قصے پر خوب غور کر!

حنانہ ستون کے رونے کا قصہ

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہؐ کی جدائی میں حنانہ ستون سمجھ داروں کی طرح روتا تھا۔ مجلس کے دوران اس طرح رویا کہ اس سے بوڑھے اور جوان سب واقف ہوگئے۔ سب نے اس کے رونے کی آواز سنی۔ صحابہ کرام کو حیرت ہوئی کہ لمبا چوڑا ستون کیوں روتا ہے؟

پیغمبرؐ نے فرمایا، اے ستون! تو کیا چاہتا ہے؟

عرض کیا کہ میری جان آپؐ کے فراق سے خون ہوگئی ہے۔ چوں کہ میری جان آپؐ کی جدائی میں جل گئی ہے، اے جانِ عالم! آپؐ کے بغیر میں کیوں نہ روؤں؟ میں آپؐ کی مسند تھا، آپؐ مجھ سے دور ہوگئے اور منبر پر آپؐ نے مسند بنالی۔

رسول اللہؐ نے فرمایا، اے بھلے درخت! اے وہ کہ تیرے باطن کو خوش نصیبی حاصل ہے! اگر تو چاہتا ہے، تجھے کھجور بنا دیں، مشرق اور مغرب کے لوگ تیرا میوہ چنیں یا اس جہاں میں اللہ تعالیٰ تجھے سرو بنا دے تاکہ تو ہمیشہ تروتازہ رہے۔

حنانہ ستون نے عرض کیا، میں وہ چاہتا ہوں کہ جس کی بقا دائمی ہو۔

یہاں مولانا رومؒ آدمی کو مخاطب کرتے ہیں

کہ اے غافل، سن لے! تو لکڑی سے کم نہ بن۔ رسولؐ نے اس ستون کو زمین میں دفن کر دیا جو انسانوں کی طرح قیامت کے روز اٹھایا جائے گا تاکہ تو سمجھ جائے کہ جس کو اللہ نے پکار لیا، وہ دنیاداری سے بے نیاز ہو گیا۔

جس کو اسرار کی بخشش ہوتی ہے، وہ درخت جیسے بظاہر بے جان کے رونے کی تصدیق کرتا ہے اور جو اسرار سے لاعلم ہو، وہ موافقت کی خاطر زبان سے ہاں کہہ دے گا لیکن دل سے نہیں تاکہ اس کو لوگ منافق نہ کہیں۔

بغیر علم کے تقلید کرنے والوں کو آدھا وہم، پورے وہم میں مبتلا کر دیتا ہے کیوں کہ ان کی تقلید اور دلیل گمان پر قائم ہے۔ شیطان ان کے دل میں شبہ پیدا کرتا ہے جس سے یہ سب اندھے اوندھے گر جاتے ہیں۔

عقلی دلائل والوں کا پیر لکڑی کا ہوتا ہے اور لکڑی کا پیر بہت کمزور ہوتا ہے جب کہ قطبِ دوراں اور صاحبِ بصیرت کے قدموں کے جماؤ سے پہاڑ حیران ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف نابینا کا پیر لاٹھی ہوتی ہے تاکہ وہ کنکریوں پر سر کے بَل نہ گرے۔ اگر آنکھوں والے یعنی صاحبِ بصیرت نہ ہوتے، تمام اندھے مر جاتے۔ ان کو نہ بونا آتا ہے نہ کاٹنا۔ نہ تعمیر کرنا، نہ تجارت کرنا اور نہ نفع۔ اے اندھے! لاٹھی کو چُورا چُورا کر دے۔ تو اندھوں کے حلقے میں کیوں ہے؟ کسی صاحبِ بصیرت کا دامن پکڑ۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اس راز کی تفہیم اس قدر طویل ہے کہ اس بات کا اختتام نہیں ہے۔ سارنگی نواز بوڑھے کے قصے کی طرف لوٹ۔

سارنگی نواز کو پیغام پہنچانا

حضرت عمرؓ کو خواب میں آواز آئی۔

”اے عمرؓ! ہمارے ایک بندے کی مدد کر۔ ہمارا ایک خاص اور محترم بندہ ہے۔ قبرستان کی جانب جا۔ اے عمرؓ! اٹھ، عام بیت المال سے پورے سات سو دینار لے جا کر اس کو دے اور کہہ کہ یہ مقدار جو خلوص کا انعام ہے، خرچ کر، جب خرچ ہو جائے تو اس جگہ واپس آجانا۔“

حضرت عمرؓ اس آواز کی خشیت سے نیند سے جاگ گئے اور خدمت کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ قبرستان کا رخ کیا۔ ہمیانی یعنی نقدی کی تھیلی

بغل میں تھی۔ وہ اس شخص کی تلاش میں دوڑ رہے تھے جسے مدد کی ضرورت تھی۔ قبرستان کے چاروں طرف تلاش کیا لیکن بوڑھے کے علاوہ وہاں کسی کو نہ دیکھا۔ کہا، یہ وہ نہیں ہوگا۔

پھر دوڑے۔ تھک گئے۔

اس بوڑھے کے سوا وہاں کسی کو نہ دیکھا۔

خود کلامی کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہمارا ایک بندہ ہے، پاک، شائستہ اور بابرکت ہے۔ بوڑھا سارنگی نواز اللہ کا خاص کب ہوگا؟

واہ واہ، اے مخفی راز! واہ واہ!

پھر قبرستان کا چکر لگایا۔ جب یقین ہوگیا کہ بوڑھے کے علاوہ یہاں کوئی نہیں ہے تو فرمایا، بہت سے روشن دل اندھیرے میں ہوتے ہیں۔

آئے اور بہت ادب سے وہاں بیٹھے۔

حضرت عمرؓ کو چھینک آئی تو بوڑھا اٹھ بیٹھا۔

حضرت عمرؓ کو دیکھا اور حیران ہوگیا۔

وہاں سے جانے کا ارادہ کیا اور کانپنے لگا۔

حضرت عمرؓ نے جب اس بوڑھے کے چہرے پر نظر کی اور اس کو شرمندہ اور زرد رو دیکھا تو کہا، خوف نہ کر، مجھ سے نہ بھاگ کیوں کہ میں تو تیرے لئے اللہ کی جانب سے خوش خبریاں لایا ہوں۔ میرے سامنے بیٹھ تاکہ تیرے کان میں تیری اقبال مندی کا راز کہوں۔ یہ لے سارنگی بجانے کا انعام! اس کو خرچ کر اور جب خرچ ہو جائے تو پھر اس جگہ واپس آجانا۔

بوڑھے نے جب یہ سنا تو کانپ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ پڑھئے۔)

روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ جب بیت المال کے کاموں میں مشغول ہوتے تو چراغ جلایا کرتے تھے جس کا تیل بیت المال سے آتا تھا لیکن جب کوئی شخص آتا اور دنیاوی یا ذاتی گفتگو کرتا تو آپ بیت المال کے تیل سے جلنے والا چراغ بجھا دیتے اور اپنا ذاتی چراغ جلالیتے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ بیت المال کا تیل ہے۔ یہ لوگوں کا حق ہے۔ جب تک ہم خلافت کے امور کی بات کر رہے تھے، بیت المال کے تیل کا استعمال جائز تھا۔ ذاتی گفتگو کے لئے بیت المال کی چیز استعمال کرنا میرے لئے جائز نہیں ہے۔

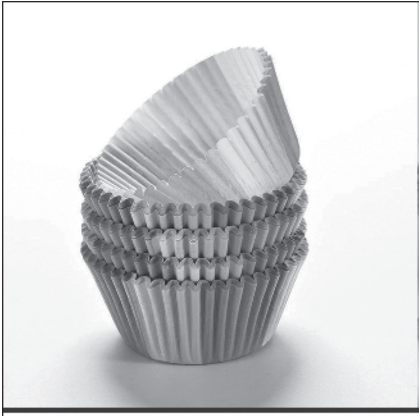

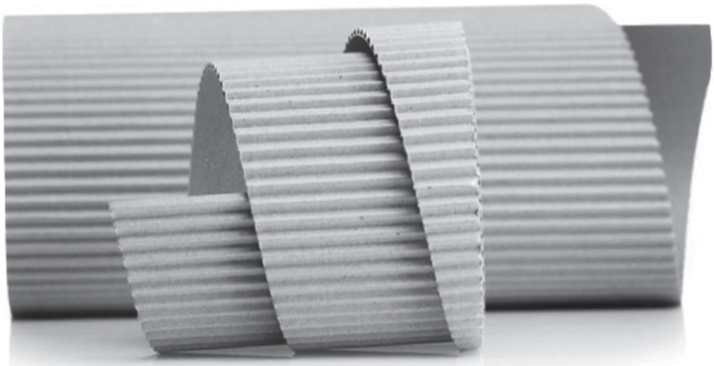

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

خواب تعبیراورمشورہ

ادارہ ”ماہنامہ قلندر شعور“ ماضی کے اُن خوابوں کو دوبارہ شائع کر رہا ہے جن کی تعبیر میں محترم عظیمی صاحبؒ نے علمی توجیہ وتشریح بیان فرمائی اور مستقبل کی پیش گوئی کی۔

بزرگ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ

(کراچی): کہیں موجود ہوں۔ ایک بزرگ نظر آئے جن کے پیچھے چلنے لگی تو بزرگ رک گئے اور مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ میں نے باادب عرض کیا کہ میرے پاس رسالے کے بہت پرانے شمارے ہیں۔ بزرگ خوش ہوئے، پھر اس جگہ سے آگے بڑھ گئے۔ میں ان کے پیچھے ادب سے چلنے لگی۔ وہ جس جگہ پہنچے، وہاں ایک تقریب کے سلسلے میں اسٹیج بنا ہے۔ سوچتی ہوں کہ آگے بیٹھوں گی تو پتہ چلا کہ پہلی صف میں صوفے ہیں۔ خیال آیا کہ یہ خاص مہمانوں کے لئے ہوں گے۔ یہ سوچتے ہی فرش پر بیٹھ گئی تو انتظامی اراکین نے کہا، آپ یہاں نہیں بیٹھ سکتیں لیکن بزرگ نے فرمایا — صوفے پر بیٹھ جاؤ۔

تعبیر: مرشد کریم سے ذہنی ربط میں اضافہ ہوا ہے۔ دنیا کا تجربہ ہے کہ بچہ وہی زبان بولتا ہے جو ماں باپ بولتے ہیں اور جو زبان ماحول میں بولی جاتی ہے۔ زبان یاد ہونے کا زیادہ تعلق ماں سے ہے۔ بچے کا ذہن آرٹ پیپر کی طرح ہے۔ ماحول میں خصوصاً خاندان میں جو کچھ سوچا اور بولا جاتا ہے، بچہ غیر ارادی طور پر سن کر بات چیت میں وہی الفاظ دہراتا ہے اور ماحول میں جو کچھ دیکھتا ہے، اس کی نقل کرتا ہے۔ ماں اور بیٹے کا تعلق استاد شاگرد کا بھی ہے۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ ماحول، خاندان اور عزیز رشتہ داروں میں جو کچھ ہوتا ہے، بچہ اس کی نقل کرتا ہے۔ نقل سے مراد یہ ہے کہ بچے کے شعور میں مسلسل تغیر ہوتا ہے۔ تغیر جب بار بار دہرایا جاتا ہے، بچہ اس تغیر کی نقل کرتا ہے جس کو ہم

مادری زبان کہتے ہیں۔

مراد اور مرید کا مفہوم ہے کہ مرشد کے ذہن کو مرید مادری زبان کی طرح قبول کرے ۔ قبول کرنے سے مراد ہے کہ طرزِ گفتگو اور ذہن میں مرشد کی طرز فکر داخل ہو جائے۔

خواب مبارک ہے — مرشد سے محبت اور مرشد کی ہدایت پر عمل سے مرید کا ذہن وہی بن جاتا ہے جو ذہن مرشد کا ہے۔

پرندہ لمبی گردن والا

(کراچی): میں نے دیکھا کہ رات کا وقت ہے۔ میری سہیلی کے چچازاد بھائی ہمارے گھر میں ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک کیسٹ ہے۔ وہ کیسٹ اٹھا کر ہماری میز پر رکھ دیتے ہیں اور چارپائی پر لیٹ جاتے ہیں۔ پھر میری سہیلی، میں اور اس کے چچازاد بھائی بیٹھ کر باتیں کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے چچازاد بھائی وہ کیسٹ اٹھا کر ٹیپ ریکارڈر میں لگا دیتے ہیں، گانا بجنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹیپ ریکارڈر بند کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاید کوئی آرہا ہے۔ اتنے میں ہماری گیلری کا دروازہ کھلتا ہے، ہم سب گیلری کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ گیلری میں بہت بڑا پرندہ ہے جس کی گردن بہت لمبی اور پتلی ہے۔ یہ دیکھ کر سہیلی کے چچازاد بھائی سہیلی سے کہتے ہیں، اٹھنا مت۔ پھر اچانک وہ پرندہ پورا دروازہ کھول لیتا ہے اور اس کے جسم کے کسی حصے سے بہت تیز شعاعیں نکلتی ہیں جو میری سہیلی پر پڑتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہو جاتی ہے۔

اس کے چچازاد بھائی یہ دیکھ کر آگے بڑھتے ہیں۔ میں بھی آگے بڑھتی ہوں جس کے نتیجے میں زخمی ہو جاتی ہوں اور وہ پرندہ غائب ہو جاتا ہے۔ سہیلی کے چچازاد بھائی اس طرف، جدھر وہ پرندہ گیا ہے، بڑے دکھ سے دیکھتے ہیں۔ جب وہ نیچے دیکھتے ہیں تو میری سہیلی کی ہڈیاں پڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ہڈیاں اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر سینے سے لگا لیتے ہیں اور رونے لگتے ہیں۔

کچھ دیر بعد چچازاد بھائی اٹھ کر جانے لگتے ہیں تو میں ان سے کہتی ہوں، کچھ دیر بیٹھیں۔ اس پر وہ کہتے ہیں کہ جس کے لئے آیا تھا، اب وہی نہیں تو کس کے لئے بیٹھوں۔ پھر شاید وہ چلے جاتے ہیں۔ یہ خواب غالباً میں نے چار پانچ مہینے

قبل دیکھا تھا۔

تعبیر: لمبی گردن والا پرندہ آپ کے چچازاد بھائی مرحوم کی روح ہے۔ وہ آپ کی سہیلی سے شادی کے خواہش مند تھے لیکن کوئی ایسی افتاد پڑی کہ یہ شادی تو نہیں ہوئی البتہ وہ بے چارے مرحوم و مغفور ہو گئے۔

قانون یہ ہے کہ مرنے کے بعد اس دنیا میں رہنے والے متعلقین اور لواحقین سے مرنے والے کا تعلق 30 سال تک قائم رہتا ہے اور اس تعلق کی بنیاد پر مرنے والوں کی روحیں اپنے متعلقین اور لواحقین کے پاس آتی رہتی ہیں۔روح کوشش کرتی ہے کہ اپنے تصرف سے رشتہ داروں کو یہ بات بتائے کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور مرنے کے بعد اُس عالم میں میرے ساتھ یہ گزر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق دوسرا قانون یہ ہے کہ آدمی جس حال میں مرتا ہے، اعراف میں یہ حال اس کے اوپر بار بار وارد ہوتا ہے اور وہ پورے حالات و واقعات کو فلم کی طرح دیکھتا رہتا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، آدمی کی دلچسپیاں آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہیں اور جب 30 سال کا وقفہ گزر جاتا ہے تو وہ اس دنیا کو اس طرح بھول جاتا ہے جس طرح ہم اس دنیا میں مرنے کے بعد کی زندگی کو بھولے ہوئے ہیں۔

خواب کے خاکے ایسے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں جن کو پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی سہیلی کے چچازاد بھائی کو روحانی سکون عطا کریں، آمین۔

خون میں سرخ ذرّات

(تجمل حسین): عموماً خواب میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے مکان کی پہلی منزل سے نیچے چھلانگ لگا دی ہے اور بہت آہستہ آہستہ نیچے گر رہا ہوں۔ یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بھاگتے بھاگتے اوپر کی طرف جمپ لگاتا ہوں تو اوپر ہی اوپر بلندیوں میں اٹھتا چلا جاتا ہوں۔ نیچے گرنے پر چوٹ نہیں لگتی۔

ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ملک چین کی سیر کر رہا ہوں اور وہاں کے لوگوں سے گھل مل کر باتیں کرتا ہوں۔ اچانک پیچھے سے کوئی شخص مجھے دھکا دے دیتا ہے اور میں ایک ندی میں جا گرتا ہوں لیکن اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ہوا میں معلّق ہو کر دوسری طرف پہنچ جاتا ہوں۔ جیسے ہی خشک زمین پر پہنچا، جسم کو شدید جھٹکا لگا

اور اس جھٹکے سے ہی میری آنکھ کھل گئی۔

تعبیر و تجزیہ: جس وقت پیروں کے غدود خون کو واپس کرنے کے لئے میکانیکی حرکت کرتے ہیں تو کیمیاوی کمزوری سے دماغ کو بھی مطلع کرتے ہیں۔ اوپر سے نیچے کو آنا اسی امر کا تمثل ہے اور جب وہ غدود کوشش کر کے اعصاب کی مدد سے کیمیاوی کمزوری پر قابو پاتے ہیں تو پھر وہ دماغ کو بھی مطلع کرتے ہیں۔ اوپر کی طرف جمپ کرنا اسی اطلاع کا خاکہ بناتا ہے۔ جب دماغ اطلاع سے مطمئن ہو جاتا ہے تو اس سے ہٹ کر کسی اور طرف دیکھنے لگتا ہے لیکن خون میں سرخ ذرّات کی کمی تصویر بن کر اس کے سامنے چینی باشندے کی شکل بنا لیتی ہے۔ جب دماغ اس کو محسوس کرتا ہے تو پھر اعصاب کی دوسری اطلاع کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہاں کسی شخص کے پیچھے سے دھکا دینے کا خاکہ بن جاتا ہے۔ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ خون میں سرخ ذرّات کم ہو گئے ہیں۔ طبیعت بار بار تنبیہ کرتی ہے کہ اس کمی کو دور کیا جائے۔

حافظے کی گہرائی

نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک بھی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ انسان بیداری اور سونے کی حالتوں میں سے کسی ایک حالت پر قدرت رکھتا ہو۔ انسان جس طرح سونے پر مجبور ہے، بالکل اسی طرح بیداری بھی اس کی طبیعت کا ایسا تقاضا ہے جس کو کسی صورت میں رد نہیں کر سکتا۔

بیداری کے اعمال و واقعات میں انسان کا دماغ جس طرح توہمات، خیالات، تصورات، احساسات اور عمل کرنے کی تحریکات کی آماجگاہ بنا رہتا ہے، بالکل اسی طرح خواب میں انسانی دماغ ایک لمحہ چین سے نہیں بیٹھتا۔ خواب کے اندر کئے ہوئے اعمال اگر حافظے کی گہرائی میں نقش ہو جاتے ہیں تو وہ اسی طرح یاد رہتے ہیں جس طرح بیداری میں کیا ہوا عمل یاد رہتا ہے۔

اگر بیداری کا عمل حافظے کی گہرائی میں نقش نہ ہو تو وہ اسی طرح بھول کے خانے میں جا پڑتا ہے جس طرح خواب میں کئے ہوئے اعمال فراموش ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی تمثیل نہیں ہے، عام تجربات اور مشاہدات ہیں جن سے ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدّین عظیمیؒ

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

entire world, ever-present, ever-clear, and yet the ones still thirsty for Your vision — we are the ones.

Some have been freed of all burdens and found Your sight, but O Dard, if we're still weighed down, the fault is ours.

The world is like a garden where we are both the flowers and the thorns. If we are aware of our inner self, it is because of us and if we are strangers to our true essence, that too is because of us. The shore of the river of knowledge that we long to reach is ourselves. We exist on both sides of the river. O Lord, Your beauty is everywhere, yet our eyes remain thirsty. Please grant us a vision to see You.

The distance between an *aadmi* and an *insan* lies within oneself. If the ocean searches for another ocean elsewhere, it will never find one. To truly know the ocean, it must look within itself.

Once, someone asked a man sitting by the shore, "You've been sitting here for so long, what are you looking at?" He replied, "I'm looking at the ocean."

The visitor said, "Where is the ocean? This is just the surface. What you see is the ocean's outer layer. The real ocean lies beneath."

Hearing this, the man was startled. His face was expressionless, and his eyes seemed empty… but they were not empty. They reflected the roaring waves of the ocean within.

Peering into those eyes, the visitor said, "The ocean's surface will only deceive you with noise and unrest. But the mighty waves flowing beneath will teach you calm within turmoil, and union through separation."

Dear readers, the difference between surface waves and the deeper currents is the same as the difference between *aadmi* and *insan*. *Aadmi* is the embodiment of noise and unrest, while *insan* represents peace and calm. *Aadmi* is the outward surge of waves, while *insan* is the image of patience and gratitude.

Concluding Note: As a member of the species of Adam, *aadmi* is meant to elevate themselves to the status of *insan*, the true and higher self that God has designated as His vicegerent on earth. While animals live in harmony with nature and exhibit remarkable intelligence and social order, *aadmi* often remains unaware of his inner reality. If one fails to recognise the knowledge, awareness, and spiritual potential placed within them, they are no better than the animals – despite calling themselves civilised.

True progress lies not in external development, but in the awakening of the inner self. *Aadmi* must look within, transcend his existence, and become *insan*. They must become the calm, grateful, and spiritually awakened being they were created to be.

Ladies and gentlemen, there is a subtle point in this article that calls for deeper reflection. Seek it out and uncover what it is.

like galleries, to allow air to circulate freely. It's almost as if they understand the science behind breathing and ventilation."

Is this world of insects, so deeply rooted in knowledge and skill, not a complete civilisation in itself? Who taught them the ways of such organised living?

People who say animals have no civilisation often refer to themselves as social animals. But they don't realise that whether an animal lives in the city or the forest, it is still just an animal.

As discussed earlier, everything said so far about *aadmi* does not apply to the *insan*. *Aadmi* and *insan* both belong to the same human species, but they are not the same. The difference lies in their level of understanding and awareness.

Aadmi is an ordinary member of the human species. They have no awareness of who they are, who created them, where they came from, where they go after death, who set them in motion, and who takes away their life force, leaving them still and lifeless.

Insan is the one among the children of Adam who has acquired the knowledge required to serve as a "Vicegerent on earth". Animals and other creatures also possess knowledge, but it is limited to fulfilling their basic needs. They can perceive colours beyond the range of ordinary human vision, yet they lack the power to create those colours. God has granted *insan* the status of His vicegerent on earth, along with the ability of *tasarruf** in colours. Every colour is a specific measure of a wave. By understanding the science of these waves, and through the knowledge bestowed by God, a human being can arrange and compose those measures to produce any colour they wish.

An *Aadmi* has lost awareness of their true self and remains unaware of their inner nature. They look at the abilities of other creatures with amazement and doubt, but this wonder actually reflects their own inner ignorance. *Insan* is the one who walks the path prepared by the Lord and takes on the role of His vicegerent.

If there is any barrier preventing *aadmi* from reaching their true status on earth, that barrier is none other than the *aadmi* themselves. The renowned Sufi poet Khwaja Mir Dard (RA) beautifully expressed this idea in his poetry. Read the translation below:

If the garden of the world holds flowers or thorns, it is because of us. If we are beloved, or estranged, the cause still lies within us.

When we look at the river of spiritual knowledge, we are the shore. If we cross it, it is by our doing; if we don't, the fault is ours as well.

Whether it is fate or destiny, both are tied to us. If we are helpless, it's us, and if we have free will, it's still us.

Your beauty flows through the

**Divinely granted power to shape and arrange colour frequencies in creation.*

whereas mankind prepares and offers food with their hands. Mankind bathes in water; birds bathe in both water and dust, but importantly, they too know how to stay clean. A falcon teaches its young to hunt, and mankind, in line with their own society, passes down skills and knowledge to their children.

Such comparisons reveal that the instincts and behaviours we often associate with human intelligence also exist in the animal world. They're simply adapted to their own forms and functions. Take, for example, the difference between a carpenter and a woodpecker. Both work with wood, and both understand structure and precision. The carpenter uses tools made of wood and metal and the woodpecker relies on its beak – an all-in-one tool that efficiently drills into tree trunks.

If we want to see examples of civilisation and culture in animals, we should look into the societies of ants and honeybees, where an ideal society is established and maintained through the division of labour into specialised fields such as gardening, labour, engineering, tailoring, defense, and science.

Animal communities have their own systems of justice. Take the honeybee for example. It collects nectar in various colours and the nectar possesses healing properties. However, if the hive guards detect that a returning bee is carrying nectar of a suspicious or harmful colour, they recognise that she has strayed from her natural instinct. To protect the hive, they kill her before she is allowed to enter.

This behaviour also points to a deeper level of perception. The honeybee has a remarkable understanding of colours. While humans see only the golden hue of honey, in reality, it is a blend of many colours. As a species, we have not yet developed the ability to perceive these subtle variations… but the honeybee can.

Equally fascinating is the fact that honey never spoils. The article already explains the reason behind this. Read it carefully, and if anything remains unclear, feel free to write to *Qalandar Shaoor Monthly.*

The colonies of honeybees and ants operate under a royal system. The structure of their hives and nests, and the arrangement of chambers, corridors, ventilation passages, and storage rooms for food, are marvels of engineering. When a royal ant caravan halts during its journey, the arrangements are nothing short of remarkable. In his book '*Qalandar Shaoor*', Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA) describes an interesting observation:

"At night, ants gather on a tree, clustering together to form a pillar -like shape. Their way of assembling is truly fascinating: the queen and her attendants stay at the center, while the soldier ants form a protective layer around them. As they join together, they intentionally leave narrow pathways between their groups, much

i

From Outer Waves to Deep Currents

Human beings live in cities, while animals dwell in forests. Over time, people came to describe the human habitat as a place of civilisation, while the animal habitat was labelled a jungle — a place presumed to be without culture or civilisation. But a closer look reveals something deeper. Whether it's a city or a forest, both humans and animals live in communities. They build shelter, secure resources and maintain a coordinate system of interaction. Humans have advanced in building homes, evolving from wood and stone to bricks and concrete. Animals, on the other hand, still live in caves, dens, burrows, or nest in trees.

This difference in lifestyle is often seen as a mark of progress, but it highlights two distinct approaches to life. Animals do not seek evolution in the same way humans do, because they have always been familiar with how to use the resources already present in nature to fulfill their needs. They sense seasonal changes, know how to find food, and possess survival instincts so effective that many human inventions are inspired by them.

By observing the organised behaviour from animals such as their instincts, cooperation, and survival strategies, sociologists have identified striking parallels with human society, leading to the classification of humans as "social animals". However, this term raises an important question: why not simply call humans "social beings"? This subtle distinction invites deeper reflection.

Such confusion highlights a broader issue in how humans perceive their place in the world. Humans label animal habitats as "jungles", implying that they are uncivilised, while at the same time they call themselves "social animals" and claim superiority through civilisation. Such contradictions challenge us to rethink these labels and our understanding of what truly sets humans apart.

The contrast becomes even more significant when we turn inward to examine the human being. Within the species of Adam, there is not only a comparison with animals but also an internal distinction between *aadmi* and *insan*. The *insan* represents the highest form of creation, elevated through knowledge and awareness, while the *aadmi* is considered lower than animals. Our current focus is on the *aadmi*. The difference between *aadmi* and *insan* will be explained later in the article. Before that, please read the following.

Every creature follows its own social order and way of living. Each creature is adapted to its environment and needs. A bird builds a nest; mankind, by virtue of their size, constructs a much larger version to call home. A bird feeds her chicks beak to beak

V

are still investigating the mystery.

❁ ❁ ❁

Fire Behind the Waterfall: Water and fire are opposites, yet their relationship can be surprisingly unique. When fire is fueled by chemicals or gasoline, pouring water on it doesn't extinguish the flames, rather it causes it to spread. If you know why, feel free to write in and explain.

There are places in the world where water and fire exist side by side, but the water does not turn to steam, and the fire does not go out. In Chestnut Ridge Park in New York, USA, a mysterious flame burns continuously behind a waterfall. To reach the fire, you have to pass through the waterfall's flowing water.

Experts say that gases are escaping from the ground here, providing fuel that keeps the fire burning continuously. The prominent gases involved are ethane and propane. This phenomenon is not unique. There are several places around the world where fire burns continuously due to the presence of flammable gases. However, Chestnut Ridge Park in New York is special because the fire burns right alongside water.

❁ ❁ ❁

You Will Turn to Stone: Stories and myths often speak of mysterious places where anyone who enters turns to stone. But what if we told you such a place actually exists in the real world.

Would you believe it?

There are places on Earth where objects are found that appear to have turned to stone. These are everyday items like kettles, bowls, toys, and even headphones that tourists had brought with them. But over time, they turned into stone-like objects.

In the UK and Ireland, there are several wells where, if an object is placed inside, it gradually becomes coated over time. These wells contain high amounts of sulfates and carbonates. When something falls into them, layers of minerals build up on the object, and due to the resulting hardness, it appears as if it has turned to stone.

The hidden secrets behind these wonders remind us that, despite all the progress humanity has made, our understanding of the world is still in its infancy. Countless phenomena exist whose very presence defies logical explanation. The knower of the mysteries of creation, Abdal-e-Haq Qalandar Baba Auliya (RA), expresses this truth beautifully in a quatrain, which is translated into English as follows.

The entire world is a realm of enchantment,

What can one say, what truly is this world?

Our very creation is but a toy made of clay,

And this whole world too, is just a toy of clay.

In Poland, the Crooked Forest contains around 100 pine trees that, instead of growing upwards, spread along the ground first and then rise.

connecting them, it creates a shape resembling a horseshoe. This shape is known as the Ring of Fire. This volcanic ring stretches over an area of about 25,000 miles, covering parts of North and South America, Japan, and New Zealand. Interestingly, the volcanoes within the Ring of Fire are arranged in a specific pattern and do not affect each other directly. If a volcanic eruption occurs at one location within the ring, the other volcanoes nearby remain inactive.

Experts estimate that there is a hotspot beneath a part of Greenland, which is causing the ice to melt rapidly. They are familiar with only two ways in which molten material from inside the Earth can reach the surface: one is through a volcano, and the other through a hotspot.

However, the question cannot be ignored: Is there a third way that might be causing the accelerated melting of Greenland's ice?

❁ ❁ ❁

The Forest of Crooked Trees: You may have noticed that sometimes a tree grows crooked instead of straight upwards. But here's something you might not know: in Poland, there's a forest where the trees are not just crooked, they grow in a very specific curved shape.

The Crooked Forest in Poland is home to nearly 100 pine trees. Instead of growing straight up, these trees first bend sharply near the ground and then curve upwards. Take a look at the picture.

What is it about this patch of land that causes all these trees to grow in such a unique, crooked shape?

Researchers do not know why these trees grow this way. It is said that during World War II, people migrated away from the area where this forest is located. Due to the lack of population, it was not possible to determine when the trees developed this unusual shape or what caused their distinctive bending. Experts

pours into the sea, it looks like a glowing red river entering the ocean. The lava instantly turns the seawater into steam and creates new land. According to data from December 2009, this volcano has erupted so much lava that it has created approximately 475 acres of new land in the ocean.

Some researchers believe that the Hawaiian Islands themselves were formed by lava flows from volcanoes like Kilauea. Notably, the island has five major volcanoes, one of which – Kilauea – periodically awakens after years of dormancy.

❁ ❁ ❁

Fire in the Ice: In 2002, a satellite mission recorded a sharp increase in the rate of ice melting on Greenland: the world's largest island, located in Denmark. The measurements revealed that ice was melting at a staggering rate of 281 gigatons per year.

You may have heard or read about the Inuit people, who build their homes from ice. These communities live in Greenland, which lies less than 500 miles from the North Pole, making it one of the coldest places on Earth. Temperatures here can reach a high of 4 to 7 degrees Celsius and drop as low as minus 34 degrees Celsius.

Many of Greenland's ice-covered mountains were actually formed by volcanic lava beneath the ice. However, experts say the current rapid ice melt is not due to volcanic activity. The volcanoes here remain quietly observant, watching the passage of time in silence. They serve as a subtle reminder as they could awaken at any moment.

Experts believe that there is a hotspot somewhere in Greenland where metals deep within the Earth are boiling. The intense heat at this hotspot is so great that the surrounding rocks melt into lava.

It's important to note that a hotspot is defined as a crack or weak spot extending from deep within the Earth up to the surface, which is extremely hot but not classified as a volcano.

The Earth is made up of different regions called tectonic plates, which are constantly moving. When two plates meet, sometimes one begins to push against the other. As the lower plate experiences increased heat and pressure, water is released from the rocks, which then cools the surrounding rocks, causing the molten rock to rise toward the surface, eventually forming a volcano.

However, not all volcanoes form this way. Some are created by hotspots. In a hotspot, the heat is not generated by the movement of tectonic plates but by hot material rising from deep within the Earth's interior. This upward movement of molten rock causes the formation of a hotspot.

It is quite fascinating that nearly two-thirds of the world's volcanoes are formed through this mechanism. If you draw a line

say that in this region, a new species or a new variant of an existing one is discovered almost every other day.

The Boiling River: Part of the Amazon rainforest lies within the borders of Peru; a country rich with legends, myths, and stories about the Amazon. Among these tales is one about a river so hot that its water boils, and any living creature that falls into it cannot survive.

For a long time, the existence of such a river seemed impossible, especially in a region where the nearest volcano is over 400 kilometres away. Still, the legend persisted. Then, in 2011, a young geologist from Peru named Andrés Ruzo decided to investigate and uncover the truth behind the story.

Ruzo journeyed deep into the jungle to the area where locals claimed the river could be found. At first, he discovered a river, but its water was cold. However, as he continued his journey by boat, he noticed something remarkable. One section of the river remained cold, while another section was intensely hot.

The river is known as Shanay-Timpishka and is a tributary of the Amazon River. It stretches about 9 kilometres in length, with approximately 6.4 kilometres of it made up of boiling water. Temperatures in this stretch can reach anywhere between 45 and 100 degrees Celsius. To this day, Shanay-Timpishka is believed to be the only boiling river known to exist anywhere in the world.

Shanay-Timpishka means "boiled with the heat of the sun", though experts believe the true cause of the boiling water is geothermal heat from deep within the Earth. This discovery revealed to the world that there is indeed a river in the Amazon so hot that no living creature can survive if it falls in. However, during colder months, standing near the river offers a surprising warmth. One must be careful not to stand on slippery ground however, or they might slip… and the consequences could be deadly.

The river is undeniably beautiful, but sometimes beauty can be deceiving. Surrounded by dense jungle, it poses hidden dangers. If a thirsty animal that is unaware of the threat steps into the water, it can face fatal consequences.

❁ ❁ ❁

The Fire That Falls into the Sea: In Urdu literature, there are references to a river of fire. Many readers have experienced the famous novel *Aag Ka Darya* (River of Fire) by the renowned author, Quratulain Haider. Poets have also captured this fiery imagery, as one verse beautifully puts it:

Love is no easy task, this much is true,

A river of fire awaits, to be crossed by diving through.

On the Hawaiian island of Hawaii, when lava from the Kilauea volcano flows down the southeastern coast near Kapoho and

A World Full of Signs

Stories and myths often speak of mysterious places where anyone who enters turns to stone. But what if we told you such a place actually exists in the real world. Would you believe it?

When we see the wonders of the world, our minds are struck with awe at their very existence. But what does it truly mean to be surprised? Surprise arises when we witness something beyond the limits of our understanding and expectations. In essence, it reflects the insufficiency of our knowledge, while at the same time affirming that God has created countless marvels in this world that are far beyond the reach of human comprehension.

There are several places on Earth where the laws of gravity seem to be defied, leaving researchers puzzled. For example, in locations such as the Valley of Jinn in Saudi Arabia, and in countries like Argentina, Armenia, Australia, Canada, Brazil, Chile, China, Indonesia, Malaysia, Jordan, and many others, there are magnetic hills where if you put your car in neutral, it mysteriously starts moving uphill on its own.

Scientists and explorers have yet to fully understand this phenomenon. Some suggest that the arrangement and structure of the land create an optical illusion, making objects appear to go uphill when they are actually moving downhill. Similarly, it may look like water flows uphill instead of downhill. However, none have been able to conclusively prove how a place that seems to slope upward can actually be sloping downward.

Earth is full of natural wonders that challenge our understanding. In some places, oceans with different densities, colours, and properties flow side by side without ever mixing. This is a phenomenon that defies expectation. Likewise, while we usually associate flowers with pleasant scents, there are some whose odours are so overpowering and foul that they're nearly unbearable.

These surprising contrasts are just a glimpse of the many unexplained phenomena found around the world. This article explores places where the underlying mechanisms still remain a mystery.

❁ ❁ ❁

The Amazon region holds a magnetic appeal for researchers and explorers from around the world. Experts in every field who research animals, plants, birds, insects, water, volcanoes, and the earth itself, come here in search of new and astonishing discoveries. So far, thousands of species and natural wonders have been found.

Stretching across nine countries, the Amazon is home to vast, rain-drenched forests. Researchers

ant's room, who asked me, 'What were you doing standing at the gate?'

I replied, 'There are some shops outside. If I get permission to go out, I can bring something to eat.'

He asked, 'Do you have money with you?' When I answered yes, he said, 'Give it to me.'

When I handed him the five-rupee note, he was surprised to see that it was brand new.

He asked in disbelief, 'Where did this new note come from?'

I shared my dream with him. After hearing it, the lieutenant was deeply moved. He called an attendant to bring me tea and biscuits. After enjoying the tea and biscuits, I got up to leave and he handed me a pass and returned the five rupees."

Bibi Amt-ur-Rehman (RA) migrated to Pakistan with her family, eventually settling in Sadiqabad, where she spent her final days and was laid to rest.

Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA) often said that whenever he faced difficulties, Aapa Ji's (RA) spiritual presence was always with him, whether that be in dreams or during waking moments. She offered encouragement, strengthened his resolve, and gently guided him on what to do or avoid.

May God, in His infinite mercy, grant the pure-hearted Aapa Ji (RA) a lofty place in the highest paradise. Ameen.

Pearls of Wisdom by Aapa Ji (RA)

- A person's own actions are their true guardian and accountant.
- A rented house feels like a bag of clutter. Someone else's home or a place to fear, but your own home, no matter how small, is filled with love and always dear.
- Thanking God and practicing patience make all tasks easier. Always see God as your protector.
- Recite salutations (*Durood Shareef*) on Prophet Muhammad (PBUH) frequently.
- Never neglect your prayers.
- Cleanliness and purity add to one's beauty.
- The upbringing of children depends largely on the mother's character.
- A woman's nature is such that once she sincerely chooses someone — she sacrifices everything for them.
- A mother-in-law should relieve herself of kitchen duties after her son's marriage.
- Wealth and children can be tests, but if wealth is spent in God's way and children are raised as His trust, both become means to Paradise.

V

He said, ‘No, let her sleep. When she wakes up, tell her that Murtaza (Prophet Muhammad (PBUH)) came and sent his greetings.’

The next morning, when the daughter-in-law shared the dream, Aapa Ji’s (RA) eyes filled with tears. She said, “The Master of the two worlds (PBUH) has shown great kindness. I am not worthy; it is because of my noble spiritual guide. O God! Thank You for remembering this unworthy one.’”

Her joy was visible as she spent the day softly humming the verses translated below:

“My Master (PBUH) has come,
the Master has come,
In my courtyard, a shower of light has poured down.
My eyes had long been thirsty for a vision,
Now a shower of light has poured down.
My Master (PBUH) has come, the Master has come.”

A mother’s entire being is a sensor of love, able to feel the waves rising in her child’s heart, no matter how many miles apart they may be. Even from a distance, a mother continues to send waves of love. God had blessed Bibi Amt-ur-Rehman (RA) with such spiritual abilities. The respected Azeemi Sahib (RA) once narrated a heartfelt incident:

“My brother launched a monthly magazine called *Aftab-e-Nubuwwat* from Delhi. In 1947, I accompanied him to Patiala, a princely state in East Punjab, to promote the magazine. We stayed in a *haveli* (mansion) there. During this time, Hindu-Muslim riots broke out due to the partition of India, causing chaos everywhere. The *haveli* remained safe.

After a few days, we, along with some soldiers, moved to the Mughal-era Bahadurgarh Fort, which had been converted into a refugee camp. The space allotted for us was a horse stable, which was flooded with water. We removed some water by hand and filled the rest with mud from around the area. I was happy to have found a place to sleep, so I lay down on the damp mud. When I woke up in the morning, my body was stiff from the cold and dampness. Somehow, I managed to call for help from outside. People came and lifted me into the sunlight. The warmth of the sun restored my nerves and loosened my muscles.

That very night, my mother appeared to me in a dream and said, ‘Don’t worry. There are five rupees in the inside pocket of your jacket. Take it. God will bless you greatly.’

Without hesitation, I put my hand in my pocket and found a new five-rupee note.

Outside the fort, there were some shops where I could arrange food and drink. As I was surveying the area outside the gate, a soldier approached and said, ‘Sir, you are being called.’

I followed him to the lieuten-

God blessed Bibi Amt-ur-Rehman (RA) with two daughters and four sons. But her compassion extended far beyond her own family. She lovingly nursed and raised two other children who were not biologically hers, one of whom had lost his mother. The impact of Aapa Ji's (RA) nurturing was profound; that child went on to earn a Ph.D. in Islamic Studies and even received a Presidential Award for authoring a book on the life of Prophet Muhammad (PBUH).

Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA) recalled:

"My foster brother once shared this story with tearful eyes during a gathering of friends in Chicago, USA, where I was also present.

'I was raised by the honourable mother of Shamsuddin Azeemi Sahib. When I grew older and understood my circumstances, a woman told me my mother had passed away and that Aunt Amt-ur -Rehman (Aapa Ji) had cared for me as an orphan. Crying, I went to Aapa Ji and asked, "Who is my mother?" Aapa Ji replied, "I am your mother." I couldn't believe it. Through tears, I said, "No! You are not my mother. My mother is dead." Aapa Ji embraced me, held out her hand, and said, "Look, my hand is white, and so is yours." Then she pointed to Akbar (Azeemi Sahib's younger brother) and said, "Look! His skin is darker; his mother passed away, and I took him into my care and nursed him."'

The second child Aapa Ji (RA) cared for had a mother who was ill. She would send her child to Aapa Ji morning, afternoon, evening, and night. Aapa Ji (RA) fed the child lovingly and sent him back to his mother.'"

Aapa Ji (RA) was not only devoted to her family but also deeply committed to serving others. She took a keen interest in the joyous occasions of others, especially weddings. Quietly and humbly, she arranged preparations for girls' weddings and brought gifts to the bride's homes on the *mayoun* (pre-wedding day). Reflecting her wisdom, she often said that a woman's true worth is measured by her ability to inspire her husband to build a home for her.

Aapa Ji's (RA) deep spiritual presence was felt not only by herself but also by her family. This was evident in a dream shared by her elder daughter-in-law, revealing a glimpse of Prophet Muhammad's (PBUH) love for Aapa Ji (RA):

"I was about to perform ablution for *Tahajjud* when suddenly a bright light spread, and a radiant glow appeared. I saw the Master of both worlds, our Prophet Muhammad (PBUH).

I greeted him, 'Peace be upon you, O Messenger of God!'

He replied, 'And upon you be peace. Where is Amt-ur-Rehman?'

I said, 'O Messenger of God, she is sleeping in the next room. I will wake her.'

plicity and love. However, she fulfilled their requests by evening or the following day. Her quiet lesson was to teach them patience, contentment, and thankfulness so they would eat with joy and remember to praise their Lord.

Aapa Ji's (RA) habit of gratitude was so deep that when her eldest daughter Amna passed away and she was informed, the first words that left her lips out of habit were, "O God! Thank You." Only after a moment of pause did she begin to weep.

When the grand sheikh Hazrat Khalil Ahmad Madani (RA) passed away, it took many years for Haji Anis Ahmed Ansari (RA) and Bibi Amt-ur-Rehman (RA) to come to terms with the profound loss of their *murshid* (spiritual guide). Hazrat Saharanpuri (RA) had been not only a loving father-in-law and uncle but also a deeply compassionate mentor. During the quiet hours of *Tahajjud* (night vigil prayers), Bibi Amt-ur-Rehman (RA) would sigh with longing, reciting devotional poetry in his memory, weeping silently in her grief.

Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA) once shared, "One day, I asked my mother, 'Did your *murshid* ever give you anything?'

She replied, 'My son, I fulfilled my duty. I raised my children and guided them towards the path of righteousness. Thanks be to God. My *murshid* blessed me.'

Curious, I asked her, 'What was the blessing?'

Aapa Ji (RA) smiled and said, 'He blessed me. That is enough. I am content and at peace.'"

Aapa Ji (RA) had immense love and reverence for Prophet Muhammad (PBUH). With deep devotion she regularly recited *Durood Shareef* (salutations upon the Prophet (PBUH)), and this practice left a lasting impression on her children, who adopted the same spirit of devotion.

The respected Azeemi Sahib (RA) once shared a memorable dream:

"I saw a house made of clay, its walls smooth and plastered with mud. Inside this humble setting, Prophet Muhammad (PBUH) was affectionately speaking with a woman. My mother, Aapa Ji (RA) stood nearby. As a seven or eight-year-old child, I watched in awe, thinking, 'How fortunate and blessed this woman must be, for the Prophet (PBUH) to be speaking to her with such love.'

That very thought reached Prophet Muhamamd (PBUH).

He turned to me with a smile and said, 'My dear, this lady is Bibi Khadijah (RA).'

Hearing this, Bibi Khadijah (RA) replied, 'O Messenger of God, this woman (pointing to Aapa Ji (RA)) is his mother.'

Prophet Muhammad (PBUH) responded, 'Yes, I know. She is Amt-ur-Rehman — and she is very patient.'"

Before Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA) was born, a dream hinted at his extraordinary destiny. His father saw a vision during the quiet hours of Tahajjud:

"The sky was filled with stars, and I watched with wonder, as if lanterns were suspended in the heavens. Suddenly, one star fell, and instinctively, I spread my cloak to catch it."

This dream was interpreted to mean that one of his children would be spiritually gifted, destined to carry forward the sacred mission of the Seal of the Prophets, Prophet Muhammad (PBUH).

One day, Bibi Amt-ur-Rehman (RA) spoke to her spiritual guide, "O Hazrat! You have given spiritual lessons to others, encouraging them to recite *tasbih* and offer prayers, but you haven't given me anything."

Hazrat Khalil Ahmad Saharanpuri (RA) replied, "Your task is simple. Raise your children well. Nurture them, guide them, and help them grow into righteous individuals. You focus on that, and I will take care of your spiritual legacy."

The entire household was immersed in learning and spiritual growth. With her gentle and pure-hearted nature, Aapa Ji (RA) gave full attention to the character-building and education of the children. She emphasised cleanliness, ensuring they wore neat clothes, and gently advised them, "Take off your dirty clothes and fold them properly. Tossing them aside carelessly shows ingratitude."

At bedtime, she ensured that each child slept on their right side. At dawn, she softly woke them with the words, "Get up. It's morning. Recite the *Kalima*: There is no god but Allah, and Muhammad is His Messenger."

The respected Azeemi Sahib (RA) once said, "Even now, when I wake up in the morning, the *Kalima* comes naturally to my lips."

A mother's foremost duty is the spiritual nurturing of her child. Since the soul is the source of life's movement, true upbringing must shape the child's conduct and character. Mothers who lead by example by guiding their children's hearts towards God and His Messenger (PBUH), fulfill this sacred trust with excellence.

Bibi Amt-ur-Rehman (RA) exemplified this role. She raised her children in line with the teachings of Prophet Muhammad (PBUH), nurturing within them a love for knowledge and a deep trust in God. Gratitude, regardless of circumstances, was central to her way of life.

If her children ever said, "I don't want to eat this." Aapa Ji (RA) would gently respond, "Go play. You're not really hungry." Though the children may have protested, she served whatever was available at home with sim-

Aapa Ji (RA)

"The upbringing of children depends largely on the mother's character."

A mother is a beautiful gift from God, rooted in pure love and selfless sacrifice. So profound is a mother's love that God chose it as a reflection of His own mercy, declaring that He loves His creation seventy times more than a mother loves her child. To continue the miracle of life, God bestowed upon woman the sacred power of creation, thus honoring motherhood as one of the highest forms of grace in the universe. No invention, no matter how marvelous, can smile or express joy, yet the smile of a child born from a mother's womb can instantly lift the weariness of an entire household.

The lap of a wise mother becomes a cradle of knowledge and character and a precious gift of wisdom. It is like a university that transforms a blank page into a tablet of learning where the child learns the deeper principles of life and creation.

This article honours a mother whose nurturing gave rise to a soul so luminous and fragrant that it now illuminates the path of truth for countless seekers. Among mothers blessed with exceptional spiritual gifts was Aapa Ji (RA), whose life embodied these sacred qualities, reflecting both spiritual depth and grace.

Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi (RA) often fondly recalled: "Aapa Ji (RA), whose name was Amt-ur-Rehman, was my mother. She was a deeply devoted and pious woman, praying five times a day. Every month, our home hosted gatherings in memory of saints, and there was a guest room set up in the courtyard. Anyone could come and sit comfortably without any distinction. She served fresh homemade bread to guests and kept a separate cupboard stocked just for their needs. That cupboard was only opened when guests arrived or when it needed restocking. In everything she did, she was grateful to God."

Azeemi Sahib's (RA) father, Al-Hajj Anis Ahmed Ansari (RA), was the nephew of Sheikh-ul-Mashaikh* Hazrat Khalil Ahmad Saharanpuri Madani (RA), a distinguished scholar and spiritual guide. The founder of the Tablighi movement, Hazrat Muhammad Ilyas Kandhlawi (RA), was among his authorised successors. After the passing of Al-Hajj Anis's father, Hazrat Saharanpuri (RA) personally oversaw his upbringing. Both Al-Hajj Anis Ansari (RA) and his wife, Bibi Amt-ur-Rehman (RA), were spiritually initiated by Hazrat Saharanpuri (RA).

** Grand Sheikh*

layers meet, they form a space between them. It is a universal law that the union of two things does not make two, but rather one. Similarly, when two spaces unite, they merge into a single whole.

A union represents a void, and a void is synonymous with space. This space is the result of two layers coming together while each layer remains distinct. This means that the kernel is composed of two separate layers with space between them. Even when these two layers unite, the space between them persists. But why does this space remain?

The space, or void, between the layers points to the presence of a force, which is referred to as ‘Nature’, that resides within it. When the two layers merge within this space, a third layer comes into existence. Just as water does not become sweet unless sweetness is added, it cannot become sherbet without that addition.

This reveals a universal law: every creature in the universe exists within a space or void. When two voids come together, a third entity or energy manifests within that space and transforms into space itself. However, if the two layers of the kernel are separated, with no connection between them, the fundamental principle of creation linking the seed and the kernel ceases to exist.

Dear friends, sisters, brothers, and elders! Every line of this law holds secrets. Write it repeatedly so the void between the two layers opens, and through that space, the secrets of both layers come to light. In that space, the colours of a third layer emerge when the two layers unite.

You have read the ‘Message of the Day’ and listened to it through my voice as you read. Research makes it evident that the Earth is a collection of colours. When you gaze at its surface or probe its depth, nothing appears colourless. Look closely at what you think is colourless, and you will find it is also a colour.

The pages of ‘Qalandar Shaoor Monthly’ await your insights.

May God protect you.

grasp what this colourful world truly is.

We believe that everything our eyes see on earth and in the sky is wrapped in a cover of colours. Be it the earth itself, the vast space, or any other form of creation from an ant to an elephant, or even a dinosaur; nothing can be called colourless. And if anyone thinks otherwise, I humbly ask them to point out even a single thing on earth that is without colour.

It is often said that water is colourless. However, when we observe the image of water on the mind's screen, we cannot call it colourless. Every body of water is dominated by colour, whether that be blue, green, yellow, red, pink, black, and more. Everything is created from water, which means that the water mankind considers colourless actually contains all the colours of creation within it. If a thing (a creation) does not contain a combination of colours, then its very existence becomes questionable.

• • ——————— • •

Now, read the secrets of colours in the *Message of the Day* from one more perspective.

On the Earth's screen, every creation is recognised by its colours. Open any fruit for example and observe. A pomegranate, an apple, or a mango; none of these, whether small or large, are colourless. Inside an apple, various colours exist, each veiled by another. The colour of a mango tree is entirely different. Trees blossom, but what is this blossoming of flowers? It is the hidden manifestation of the fruit's seeds. We call this hidden manifestation the kernel. Over the seed is a wooden casing, and inside it lies the kernel. The kernel is the union of the seed's inner and outer existence.

Law: A mango seed consists of two layers. Upon opening the seed, we see that each layer contains a space within itself. Therefore, the mango kernel comprises three components:

1. Two layers
2. The space or void existing between these two layers
3. The space or void present inside each individual layer

When both the layers and the space between them merge, a space is created inside that speaks, understands, sees, and senses taste. When the two layers unite, the actions and movements of life, the working of thoughts and reflections, and the scientific dimensions of life unfolds. Around each layer, there is a bulge. When the bulges of both

and each one is adorned in colour. The sun is nothing but colour. The moon is nothing but colour. The stars are nothing but colour. The *burooj** in the sky have been beautified with colour. The atmosphere itself is a colourful canvas, a graph woven from countless threads, where those with insight can perceive the multitude of beings dwelling within it. Every creation, seen or unseen, is a unique assembly of colours. Observe your own existence, within and without, and ask yourself, how many colours have been woven into your creation?

• • ——————— • •

When an ordinary person or a researcher contemplates the earth's inner and outer atmosphere, the sky, and the worlds in the form of stars, they realise that nothing is without colour. If we consider white as the base colour, even white itself is a continuous blend of many colours. When blue is layered over white, the white becomes concealed and blue takes precedence. Similarly, when red overlays blue, both colours seem to vanish, but in reality, they merge to form purple. The mixing of red and yellow yields orange, while blue combined with yellow creates green. Each colour dominates another, giving rise to a new shade. Thus, as colours overlap, appearances change, however, the foundation beneath all colours remains white.

White is a colour too. When blue takes dominance over white, the identity of the colour shifts. But this raises a question: if white is the base, why does it become blue when blue is applied over it? And why does red over blue transform into purple?

———————

Scientific research has identified more than 60 distinct colours. Colours beyond these are created either by blending the known ones or by layering one colour over another, resulting in a change in colour. Red is an intense colour. If a person is exposed to it continuously for 36 hours, it can lead to mental imbalance. Every colour is a unit, and when one unit dominates another, a new colour emerges.

• • ——————— • •

When we try to understand this colourful world, our eyes naturally turn first to the earth. There is no way that we could say that either the interior or the exterior of the earth is colourless. It is important for us all; respected readers, ladies and gentlemen and researchers alike, to

** Burooj means stars or worlds. There are countless worlds in the universe, and each world is itself an earth.*

Message of the Day

Contemplation is a screen. When we observe the equations (patterns) within this screen, we realise that nothing is colourless. Everything appears as an image, and each image is a blend of various colours. Close your eyes and look at the screen within you. An image will appear that is shaped by your interests and inclinations. In one mind, the image of a house will form; in another, thoughts of the office will arise. In some, impressions of food and drink will emerge, causing one's tongue to moisten with taste. Someone will be worried about their business, while another, caught in the grip of uncertainty, will see everything scattered and confused. In contrast, those who read this article with a focused mind will see its words forming images within them, clear and vivid, like pictures on a screen.

When one contemplates this picture, it becomes evident that everything, both inside and outside, is an equation of colours, and each equation is based on different colour frequencies.

The Creator of the universe, God Almighty, states:

> "It is God who shapes you in the wombs as He wills. He is the only Lord, the Majestic, and All-Wise." (Quran, 3:6)

The womb of a mother is like the earth, where individuality is shaped through colours. No being exists in a single colour; every creature is formed through a fusion of many shades. This multiplicity of colours defines creation itself. The real question to ponder is: What is colour?

Regarding the outward and inward wisdom of colour, the Holy Quran states:

> "All that He has created for you on the earth are of different colours. In this there is evidence of the Truth for the people who take heed." (Quran, 16:13)

If one contemplates the foundation and creation of the earth, they will realise that the earth is nothing but a combination of colour. When one colour emerges from another, we see that the frequencies of these colours manifest differently across the forms of creation. All that exists within earth, its species and elements, number in the millions,

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	136
Aapa Ji (RA)	Shazia Rasheed	132
A World Full of Signs	Nayyar Azam	126
From Outer Waves to Deep Currents	Bilal Hassan (M. Phil)	121

"He who leaves everything to God finds that God is sufficient for him."

— Sheikh Najamuddin Kubra (RA)

Vol13 Issue9 | October 2025 | Rabi-ul-Thaany Jumada-al-awal-1447AH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu—English)

Patron in Chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor

Hazrat Khwaja Shamsuddin Azeemi RA

Editor

Aisha Khan

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.140/- Per issue. Annual subscription Rs.2100/- with Reg. Post (Domestic), US$ 75/- (International)

Contact: B-113, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

DENTAL innovations CLINIC

Happy Smile

The secret of the Beautiful Smile

Whiter than White .....!!

Center of excellence for Braces & Dental implants

Aesthetic Dentistry
Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry
Root Canal Treatment, Crown & Bridge

Orthodontics
Fixed & Invisible Braces

General Dentistry
Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry
Pit Fissure Sealants, Root Planing

Minor Oral Surgery
Impactions, Cyst, Apicoectomy

Pediatric Dentistry
Space Maintainers, Steel Crowns

DENTAL INNOVATIONS CLINIC

Mezzanine Floor AKU Lab 26th Street
BADAR Commercial Phase V, DHA, Karachi
dentalinnovations747@gmail.com | www.dentalinnovationsclinic.com
Dental Innovations Clinic
0300-8511747 | 021-37242559 | 021-35242559

New Homes For Sale in Multan & Lahore

For More Details : +92 345 4121 910

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

f: lavishdinerestaurant

Lavish Dine
Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

دنیا کے بڑے کاروباری مراکز میں سے ایک

دبئی میں اپنے کاروبار کا آغاز کیجئے

کمپنی رجسٹریشن سے ویزا حصول تک
تمام مراحل کی باسہولت اور تیز رفتار تکمیل کے لئے قابل اعتماد نام

اسٹور ویب	ریسٹورنٹ	ای کامرس	ٹریول اینڈ
ڈیویلپمنٹ	ٹریڈنگ	آئی ٹی سروسز	ٹورازم
امپورٹ	ہوٹل	کنسٹرکشن	ایمیزون
ایکسپورٹ	ٹرانسپورٹ	رئیل اسٹیٹ	آن لائن

FREEZONE LICENSE PACKAGE
AED22500

PACKAGE INCLUDED

BUSINESS LICENSE | FLEXI DESK | INVESTOR VISA | EMIRATES ID | MEDICAL REPORT | E-CHANNEL PORTAL

ہر وہ کاروبار جو آپ کی ضرورت ہے!

RED BERRY
CORPORATE SERVICES

1408, Opal Tower, Business Bay Dubai UAE
info@redberry.ae
www.redberry.ae
+971 50 931 0752
+971 56 336 9852

/BUSINESSINDUBAI.AE/ /company/redberryae/ /red_berry_corporate/

TOYOTA
the all new
TOYOTA YARIS
DYNAMIC FRONT BUMPER & GRILL
SLEEK DAY TIME RUNNING LIGHTS
STYLISH MACHINE FACE ALLOY RIMS
RETRACTABLE SIDE VIEW MIRRORS
LUXURIOUS BLACK INTERIOR
9" FLOATING DISPLAY WITH APPLE CARPLAY & ANDROID AUTO
SHARP REAR CAMERA
3 AIR BAGS
PUSH START
YARIS
Move your world
FOR BOOKING & DETAILS PLEASE CALL:
UAN: (022) 111 555 121 or 0348-111 9705
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
SITE, AUTO BHAN ROAD